UNIVERSAL LIBRARY
OU_188925
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

891.73

Call No. A H Accession No.

16148

This book should be returned on or before the date last marked below.

مالوا

ادیب اعظم میکسم گورکی کا عظیم شاہ کار!

مترجم
نریش کمار شاد

قیمت
ایک روپیہ بارہ آنہ

نیو تاج آفس پوسٹ بکس نمبر ۱۷۴۹ دہلی

قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

نیو ناج آفس پوسٹ بکس نمبر ۱۴۹ دہلی

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

پہلی بات

ماں لوا ردس کے شہرۂ آفاق عوامی اور انقلابی صاحب قلم الیکسی موزج پشکوف میکسم گورکی نے ۱۸۹۷ء میں سپرد قلم کی تھی جبکہ وہ اڈیسہ اور جنوبی روس میں ایک آوارہ اور بے خانماں انسان کی حیثیت سے زندگی گذار رہا تھا۔ مالوا کے واقعات اور کردار بھی اُسی لاُ اُبالیانہ زندگی کی پیداوار ہیں گورکی نے اس ماحول کی روح میں اُتر کر حقیقت نگاری اور رومانیت کے دلکش اور صحت مند امتزاج سے مالوا کی تخلیق کی ہے جس میں اس کی بصیرت کی وسعت اور بصارت کی گہرائی انتہائی فن جمال اور ربط ضبط کے ساتھ جا بجا نمایاں ہے۔ اپنے کرداروں کی نقل و حرکت کی معمولی اور حقیر جزئیات کو بھی گورکی نے اپنے شعور کے نہاں خانوں میں محفوظ رکھا ہے اور جب اُنھیں اپنی مخصوص ذہانت اور خیال آرائی سے کہانی کی فضا میں سمویا ہے تو ان بظاہر کم مایہ اور بے حقیقت جزئیات نے کہانی کے تمام کرداروں کی تمام تر خصوصیات کے ساتھ زندہ و متحرک کر دیئے ہیں۔

فطرت نگاری میں گورکی جو کمال حاصل تھا وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں بخوف نے بھی گورکی کے اس وصف کا اعتراف کیا ہے۔ گورکی کا یہ فنی کمال مالوا کا امتیازی

حسن ہو۔ فطرت کے رنگا رنگ مناظر کے پس منظر میں اُس نے محض کہانی کی رومانیت کو شوخ اور گہرا ہی نہیں کیا بلکہ اپنے کرداروں کی ذہنی اور نفسی کیفیتوں کو بھی نہایت خوبصورتی سے اُجاگر کیا ہے۔

گورکی کے تجربہ اور مشاہدہ میں صداقت اور خلوص کی آمیزش کا باعث یہ ہے کہ اس نے عوام کی زندگی کو ایک تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھا بلکہ خود اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ بھی انتہائی نکبت و افلاس کی آغوش میں بسر کیا۔ اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے اُسے نہایت کڑی اور سخت جدوجہد سے دوچار ہونا پڑا اُنھیں سنگین و تلخ تجربات کی بھٹی میں تپ کر اس کے فن میں حقیقت اور اثر کا نکھار پیدا ہوا۔ اور یہ نکھار اس کی دوسری بے شمار کامیاب کہانیوں کی طرح مالوہ میں بھی پوری محبوبیت کیساتھ نظر آرہا ہے۔ مالوا میں انسانی زندگی اپنے سماجی کرب اور تلخی کے باوجود دھڑکتی مچلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر مالوا کی یہ رومانیت نیچر کی رعنائی اور زندگی کی کشمکش کے جمال سے عبارت ہے یہ رومانیت وہ بیمار اور مکروہ رومانیت نہیں ہے جس کے پس پردہ کاروباری مصلحتیں آج کل عریاں اور فحش ادب کی تبلیغ کر رہی ہیں۔"

"نریش کمار شاد"

۵

سمندر کھلکھلا رہا تھا

جب گرم ہوا اُسے چھو جاتی تو وہ کانپ بھی جاتا تھا۔ اس کی تہہ سے اُبھرتی ہوئی موجوں میں سورج کی چند جذب شدہ کرنیں پھر سے نکلتی دکھائی دے رہی تھیں۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر نیلے آسمان پر طنز کر رہا ہو اور طنز کے اندر چاندی کی مانند جگمگاتی ہوئی ہزاروں مسکراہٹیں چھپی ہوئی ہوں۔ موجوں کے زیر و بم سے پیدا ہونے والی آواز سمندر اور آسمان کے درمیان گونج رہی تھی۔ پُرشور موجیں اور سورج کی درخشندہ کرنیں آپس میں مل رہی تھیں۔ اُن کے ملاپ سے ایک خوش نما ماحول پیدا ہو رہا تھا۔ سورج اس لیے مسرور تھا کہ وہ چمک رہا ہے۔ اور سمندر کو اس بات کی خوشی تھی کہ وہ اس چمک کو اپنے سینے میں جذب کر کے اُسے پھر رونما

کر رہا ہے۔

ہوا سمندر کی ریشمی چھاتی کو سہلا رہی تھی۔ سورج اسے اپنی نرم نرم شعاعوں سے گرما رہا تھا۔ سمندر ان دونوں کی محبت بھری تھپکیوں کے درمیان گرم ہوا میں ایک خوشبو بھر رہا تھا۔ نیلگوں موجیں جب ساحل سے آکر ٹکراتیں تو سفید جھاگ میں گھل مل جاتیں۔ وہ جھاگ جو کنارے کی گرم ریت سے چھو کر نرم آٹے کی طرح پگھل چکی تھی۔ اور اب پگھلنے کے بعد ریت کو نم آلود کر رہی تھی۔

لمبی اور تنگ چٹان ایک ایسے سخت اور لمبے مینار کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو ساحل سے ابھر کر سمندر کی تہ میں جا گرا ہو۔ اس کی کمزور حسامت لامحدود سمندر کو چیر کر اندر دھنس گئی تھی۔ اس کی بنیاد دور تہہ کی دھند میں کھو گئی تھی۔ جس نے جس نے ساتھ والے جزیرے کو بھی چھپا رکھا تھا۔ جب بھی ہوا اس کی دھند کو اڑا لے جاتی تو نقدس آب سمندر اور نیلے آسمان کے درمیان ایک ناقابل بیان ناخوش گواری پیدا ہو جاتی۔

سمندر کے ساحل پر جہاں مچھلیوں کے پنجرے سے بکھرے ہوئے تھے وہاں ایک جال بھی لگا ہوا تھا جس کے ڈنڈے زمین کے اندر دھنسے ہوئے تھے۔ اس جال کا عکس مکڑی کے جال کی مانند ساحل پر پھیلا ہوا تھا۔ کئی بڑی اور چھوٹی کشتیاں قطاروں کی صورت اختیار کر رہی تھیں۔ موجیں ساحل کی طرف کچھ اس طرح لپک رہی تھیں جیسے اسے آنکھوں سے اشارے کر رہی ہوں، کشتیوں کے چپو۔ رسیاں اور ٹوکریاں بے ترتیب بکھری پڑی تھیں اور سامنے ساحل پر درخت کی شاخوں اور سرکنڈوں سے تیار کی ہوئی ایک جھونپڑی

تھی۔ جھونپڑی کے دروازے کے سامنے چند جھونپڑیوں کے اوپر ایک پٹوں کا جوڑا
اُلٹا لٹکا ہوا رکھا تھا۔ اسی بے ترتیب مقام پر ایک بڑا سا بادبان لہرا رہا تھا
جس کی چوٹی پر سرخ رنگ کا بوسیدہ سا جھنڈا ہوا سے لہرایا کرتا۔
کشتیوں میں سے ایک کے سایہ کے تلے وسلی کھڑا تھا۔ وسلی گرینٹش ورچ کے
مچھلی خانہ کا رکھوالا تھا۔ وہ اپنی ٹھوڑی کو ہتھیلیوں پر جمائے پیٹ کے بل
لیٹا ہوا تھا۔ اور دُور دوسرے سمندر کے کنارے کی طرف گھور رہا تھا۔
اُس کی نظر پانی پر تیرتے ہوئے ایک کالے سے داغ میں ڈوبی ہوئی تھی۔
جوں جوں وہ کالا داغ زیادہ نمایاں ہو کر قریب تر آتا ہوا معلوم ہو رہا
تھا وہ ایک حقیقی مسرت کے احساس سے دوچار ہو رہا تھا۔
پانی کی سطح پر گرتی ہوئی آفتاب کی کرنوں سے بچنے کے لیے جب اُس نے
آنکھیں گھمائیں تو وہ یک لخت مسکرا اُٹھا ـــــ وہ مالوا آ رہی تھی ـــــ اور
مالوا آنے لگی۔ ہنسنے لگی۔ قہقہے اُڑانے لگی۔ ہنستے ہنستے اُس کی چھاتیوں
میں کچھ ایسا تموّج پیدا ہو گیا جس میں زہد شکن دھڑکنیں چھپی ہوئی تھیں۔
ـــــ وسلی مالوا کے تخیّل میں کھویا جا رہا تھا ـــــ مالوا اُس کے
ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر اُسے خیر مقدم کہے گی۔ ہونٹوں کے اس
تصادم سے بحری مرغابیاں خوف زدہ ہو جائیں گی ـــــ
اور پھر مالوا اُسے تمام خبروں سے آگاہ کرے گی۔
سمندر کے اُس پار کیا کچھ ہو رہا ہے ـــــ اس کے بعد وہ اکٹھے
کھانا تیار کریں گے۔ ایک دوسرے کو جامِ صحت اور جامِ مسرت دیتے

ہوئے مل کر واڈکا[۵] پئیں گے۔ سمندر کی ریت پر لیٹ جائیں گے۔ اور خوشبوؤں سے بھرپور باتیں کریں گے۔ جب جھٹپٹا ہو جائے گا تو کینلی میں بیں چائے تیار کریں گے اور مزے سے پئیں گے ـــــ پھر نیند کی آغوش میں کھو جائیں گے ـــــ ہر اتوار اور چھٹی کے دن وہ یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ صبح ہوتے ہی وسلی مالوا کو نیم خوابیدہ سمندر سے دور وادی میں لے جاتا۔ وہ اُس کے ساتھ غنودگی کے عالم میں کشتی میں بیٹھتی۔ وسلی چپو چلاتے ہوئے اُسے اشتیاق سے دیکھتا رہتا۔ ایسے میں وہ کسی قدر مضحکہ خیز دکھائی دیتی تھی۔ لیکن اُسی قدر حسین بھی بالکل اُس بلّی کی طرح جو کھا پی کر خوب موٹی تازی ہو گئی ہو۔ مالوا اکثر کشتی میں بیٹھے بیٹھے جمائیاں لے کر وہیں سو جاتی۔

اس دن سمندر کی مرغابیاں بھی گرمی سے گھبرا رہی تھیں۔ کچھ اپنے پیروں کو جھکائے اور کچھ اپنی چونچوں کو کھولے ہوئے ریت پر بیٹھی تھیں۔ اور بہت سی موجوں پر بغیر شور و غل کیے سستا رہی تھیں۔ گویا سب مرغابیاں اپنی روزمرہ کی نقل و حرکت کو یک سر فراموش کر چکی تھیں۔

وسلی کو ایسا دکھائی دیا جیسے آج مالوا کے ساتھ کشتی میں کوئی اور بھی ہے ـــــ کیا کم بخت سیریوزکا اس پر آج پھر

---

[۵] روسی شراب۔

ٹوٹ پڑا ہے؟ ـــــ وسلی نے اپنی پوری قوت سے ایک دم ریت پر پلٹا کھایا اور اپنی پلکوں کو اوپر اٹھا کر دور دور نظر دوڑائی ـــــ مالوا کے ساتھ کشتی میں کون ہے؟ ـــــ مالوا کشتی کے نچلے حصے میں بیٹھی ہوئی تھی چپو چلانے والا ببروز کا نہیں ہو سکتا تھا اُسے تو چپو چلانے کی عادت ہی نہیں تھی اور اگر وہ چپو چلاتا بھی تو مالوا کو اُسے راستہ بتانے کی ضرورت کیوں پڑتی؟ ـــــ

وسلی بالکل بے صبر ہو چکا تھا۔ اُس نے جھنجلا کر زور سے آواز دی۔ یہ زوردار آواز کو سُن کر مرغابیاں چونک پڑیں اور اپنے پاؤں کے بل کھڑی ہو گئیں اور اُدھر کشتی سے بھی مالوا کی بل کھاتی ہوئی آواز اُسی پُر زور لہجہ میں سُنائی دی وسلی پھر چیخا "تمہارے ساتھ کون ہے؟" ـــــ

جواب میں مالوا کا صرف قہقہہ ہی سُنائی دیا۔

"کمبخت" وسلی نے بے تاب ہوتے کہا ـــــ پھر اُس نے گالی سی بکی اور حقارت سے زمین پر تھوک دیا۔

اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ وہ یہ جاننے کے لیے آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ کہ مالوا کے ساتھ کون ہے۔ انگلیوں میں سگریٹ گھماتے ہوئے اُس نے نہایت غور سے چپو چلانے والے کی پیٹھ اور گردن پر نظر ڈالی اور بڑی توجہ سے اس آواز کو سُنا جو موجوں اور چپوؤں کے ٹکرانے سے پیدا ہو رہی تھی ـــــ اُس کے ننگے پاؤں تلے ریت کے تڑ تڑ کرنے کی آواز آ رہی تھی ـــــ

"یہ تمہارے ساتھ کون ہے ——— ؟" وسلی نے مالوا کے رسیلے چہرے پر ایک غیر ماس اور اَن دیکھی مسکراہٹ دیکھتے ہوئے کہا۔
مالوا نے ہنستے ہوئے جواب دیا ۔
"ذرا صبر کرو ابھی دیکھ لو گے۔"
چپّو چلانے والے نوجوان نے ساحل کی طرف منہ پھیرتے ہوئے ایک نگاہ دوڑائی اور وسلی کو دیکھ کر ہنس بھی پڑا۔
وسلی کے ماتھے پر تیوریاں سی پڑ گئیں ۔ یہ نوجوان کون ہو سکتا ہے؟ اس کا چہرہ تو جانا پہچانا معلوم ہو رہا ہے۔
اتنے میں مالوا تحکمانہ لہجہ میں بولی "زور سے چپّو چلاؤ۔"
سو جیسے کشتی کو ساحل کے قریب لا کر چھوڑ گئی تھیں اور کشتی سے کچھ دور ہی رک گئی تھیں چپّو والا نوجوان کچھ دیر بعد کشتی سے باہر نکلتے ہوئے چلّایا
"ڈیڈی ——— میرے ڈیڈی۔"
"بیقوف" وسلی نے ایسے گھٹتے ہوئے لہجہ میں کہا جس میں مسرت سے کہیں زیادہ حیرت تھی اور پھر دونوں بغلگیر ہو گئے تین بار ایک دوسرے کو بوسہ دیا ۔ وسلی کے چہرے پر خوشی اور گھبراہٹ کا ملا جلا تاثر نمایاں تھا۔
"میں نے دیکھا ——— میں نے کئی بار دیکھا ۔ اور میرے دل میں خلش سی محسوس ہوئی میں حیران ہو رہا تھا، یہ کون ہو سکتا ہے ——— اور یہ تو تم تھے ۔
لیکن مجھے یہ کیسے گمان ہو سکتا تھا ۔ پہلے میں نے سوچا شاید سیرو ژکا ہے۔

پھر میں نے سوچا یہ وہ نہیں ہو سکتا ـــــــ اور آخر تمہیں نکلے ـــ بولنے ـــ بوڑھے وسلی ہاتھ سے ڈاڑھی سہلا رہا تھا اور اندر ہی اندر مالوا کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ لیکن ہر بار ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے بیٹے کی نشاط آگیں نگاہوں سے گھبرا جاتا تھا۔ اپنی داشتہ مالوا کے وہاں موجود ہونے کی وجہ سے وہ اپنے جوان بیٹے کی قربت سے اُلجھن سی محسوس کر رہا تھا اور اس اُلجھن میں متواتر پاؤں ہلائے جا رہا تھا۔ وہ جواب حاصل کیے بغیر یعقوب پر سوالات کی بوچھاڑ کیے جا رہا تھا۔ یکایک اُسے مالوا کی طنز بھری مسکراہٹ سے دھچکا سا لگا۔

اور اُس نے مالوا سے کہا "اسے اندر لے جاؤ۔ اور کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ یہاں کھڑے کھڑے مسکرانے سے کیا فائدہ ہے۔"

اُس نے مالوا کی طرف دیکھا مالوا کے ہونٹوں سے اب بھی تمسخر آمیز مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی اس نے ایسی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ مالوا کا گول اور گداز جسم آج کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا تھا۔

مالوا نے اپنے سفید دانتوں سے تربوز کے دانوں کو چبانے ہوئے اپنی نیلگوں آنکھیں وسلی کے چہرے سے ہٹا کر یعقوب کی طرف پھیر لیں یعقوب کبھی وسلی اور کبھی مالوا کو دیکھتا اور مسکرا دیتا۔ وہ سب کافی دیر تک خاموش رہے اور یہ خاموشی وسلی کو ناگوار گذرتی رہی۔

اچانک وسلی بولا "تم ذرا دھوپ میں بیٹھو۔ میں جا کر پانی لاتا ہوں۔ ہم

تھوڑا سا کھانا تیار کر کے اکٹھے کھائیں گے۔ یعقوب! ایسا کھانا تم نے آج تک نہ کھایا ہوگا۔ میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ اس وقت تک تم دونوں کچھ آرام کر لو۔"

اور اس کے بعد اس نے جھونپڑی کے پاس پڑی کیتلی اٹھائی اور جہاں جال پڑا تھا اسی طرف چل دیا۔ کچھ دیر بعد وسلی جال کے مٹیالے رنگ کے دائروں میں گم ہو چکا تھا۔

مالو اور یعقوب جھونپڑی کی طرف چل پڑے۔

"لو میرے پیارے حسین چھوکرے! میں تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے آئی۔ مالو نے یعقوب کے بھورے گھنگھریالے بالوں والی ڈاڑھی سے ڈھکے ہوئے چہرے اس کی موزوں شبیہ اور چمکدار آنکھوں پر ایک ترچھی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں" یعقوب نے بھی اپنے چہرے کو اشتیاق سے مالو کی طرف پھیرتے ہوئے جواب دیا۔"

"کتنی اچھی جگہ ہے۔ اور پھر یہ سمندر کس قدر سہانا ہے۔"

"واقعی یہ ایک نہایت نہج سمندر ہے۔

ہاں تو کیا تمہارا باپ کافی عمر ہو چکا ہے۔"

"نہیں بہت زیادہ نہیں۔ مجھے امید تھی کہ وہ بہت بوڑھا ہو چکا ہوگا۔

لیکن اس کے بہت کم بال سفید ہوئے ہیں۔ اور وہ کافی تندرست ہے

توانا دکھائی دیتا ہے۔

"تم نے اُسے کتنی مدت سے نہیں دیکھا؟"

"تقریباً پانچ سال ہو چکے ہیں جب وہ گھر سے آیا تھا اس وقت میں غالباً سترھویں سال میں تھا۔"

وہ دونوں جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئے وہاں گھٹن سی تھی اور نیچے فرش پر بچھے ہوئے ٹاٹ سے مچھلی کی بو آ رہی تھی، یعقوب ایک درخت کے موٹے سے تنے پر اور مالوہ پوریوں کے انبار پر بیٹھ گئی۔ ان دونوں کے درمیان لکڑی کا ڈھول سا پڑا تھا جسے اُٹھا کر میز کا کام لیا جاتا تھا وہ وہاں چپ چاپ بیٹھے ایک دوسرے کی طرف تکتے رہے

آخر مالوا نے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا، "تمہارا مطلب ہے تم یہیں کام کرنا چاہتے ہو۔"

"جی ——— کچھ معلوم نہیں۔ ہاں میں یہاں کام کرنا پسند کروں گا اگر مجھے کوئی کام مل گیا۔"

"تمہیں ضرور یہاں کوئی نوکری مل جائے گی، مالوہ نے عجیب انداز سے اپنی نیم وا آنکھوں سے اِسے بغور دیکھتے ہوئے پُر اعتماد لہجہ میں کہا۔

یعقوب اس کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی آستین سے چہرے کا پسینہ پونچھنے لگا ———

وہ یک بیک ہنس پڑی" میرا خیال ہے تمہاری ماں نے بھی تمہارے

باپ کو سلام بھیجا ہوگا اور اس کے لیے کوئی پیغام بھی دیا ہوگا۔"

"واقعی ——— لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" یعقوب نے پیشانی پر بل ڈال کر سختی سے کہا۔

"یوں ہی"

یعقوب کو اس کی ہنسی ناگوار اور طنز آمیز معلوم ہوئی اور وہ ناکوا کی طرف سے منہ پھیر کر اس پیغام کو یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا جو اس کی ماں نے دیا تھا۔

اس کی ماں اسے گاؤں کے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ سرکنڈوں کی ایک باڑھ پر جھکتے ہوئے اس نے خشک آنکھوں کو تیزی سے جھپکتے ہوئے جلدی جلدی کہا تھا، "تمہیں صبح کی قسم یعقوب! اپنے باپ سے کہنا میری ماں اکیلی ہے۔ اور گزشتہ پانچ سال سے اکیلی رہی ہے اسے کہنا کہ وہ بوڑھی ہو رہی ہے۔ خدا کے واسطے اسے بتانا کہ میری ماں جلد ہی ایک بڑھیا بن جائے گی ——— اور پھر بھی وہ اکیلی ہے اور محنت کر رہی ہے" یعقوب کو اس وقت اس کے لیے ہمدردی کا احساس نہیں ہوا تھا لیکن اب ہو رہا تھا۔ اس نے ناکوا کی طرف دیکھا اور پھر ماتھے پر تیوری چڑھا لی۔

"اور پھر میں آگیا ہوں ——— وسلی نے یک لخت جھونپڑی میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مچھلی تھی اور دوسرے ایک چاقو تھا۔

اب وہ متوازن ہو گیا تھا۔ اپنی گھبراہٹ کو دل کی گہرائیوں میں چھپا لیا تھا۔ اُس نے دونوں خاموش مورتیوں کی طرف دیکھا۔ اُس کی حرکات و سکنات معمول سے کچھ مختلف ہو گئی تھیں۔

اُس نے کہا " میں ابھی جا کر آگ جلاتا ہوں۔ پھر واپس آکر ہم کافی دیر تک بات چیت کریں گے۔ سنا یعقوب!" یہ کہہ کر وہ جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔

مالوا یعقوب پر نگاہیں جمائے کمال بے تکلفی سے تربوز کے بیج دانتوں میں لے کر کاٹتی رہی۔ لیکن یعقوب نے اپنی نگاہیں کسی اور طرف پھیر لیں۔

کچھ دیر بعد جب یہ خاموشی یعقوب کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی تو اُس نے کہا" او ہو میں اپنا کمبل تو کشتی ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ ابھی جا کر اُسے اُٹھا لاتا ہوں" یہ کہنے کے بعد وہ آہستہ سے اُٹھا اور جھونپڑی سے باہر چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وسلی واپس آگیا۔ مالوا کی طرف جھک کر اُس نے خفگی کے لہجہ میں تیزی سے کہا۔

" تم اس کے ساتھ کیوں آئیں؟ میں اُسے تمہاری بابت کیا بتاؤں گا کہ تم سے میرا کیا رشتہ ہے؟"

ہاں ہاں میں آئی۔

بس اور کیا"

مالوا نے تندی سے جواب دیا۔

" اُف کس قدر احمق عورت ہو۔ اب میں کیا کروں۔ صاف اُس کے منہ پر

کہہ دوں ؟ سیدھی طرح اُگل دوں۔ آخر گھر میری ایک بیوی ہے۔ جو اس کی ماں ہے۔ کم از کم تمہیں یہ تو خیال کرنا تھا۔"

"تو مجھے اس سے کیا۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ میں اس سے ڈرتی ہوں یا مجھے تمہارا ڈر ہے" تمالوا نے اپنی آنکھیں مٹکاتے ہوئے حقارت سے جواب دیا" تم اس کے سامنے سٹپٹاتے ہوئے کس قدر مضحکہ خیز معلوم ہوتے تھے۔ میں بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر سکی۔"

"تمہارے لیے بے شک یہ مضحکہ خیز بات ہو۔ لیکن اب میں کیا کروں گا ؟"

"تمہیں اس کے بارے میں پہلے سوچ لینا چاہیئے تھا۔"

"مجھے کیا خبر تھی کہ سمندر اُسے اس طرح اسی سرزمین پر لا پھینکے گا۔"

اتنے میں ریت میں سرسراہٹ ہوئی اور وہ سمجھ گئے کہ یعقوف آ گیا ہے اس لیے وہ خاموش ہو گئے۔

اب یعقوف اپنے ساتھ ایک ہلکا سا کمبل اُٹھا لایا تھا جسے اُس نے ایک کونے میں رکھ دیا۔ اور اپنی آنکھوں کے گوشوں سے اس عورت کی طرف ناراضگی سے دیکھا۔

تمالوا برابر تربوز کے بیج چباتی رہی۔ دیسلی درخت کے کٹے ہوئے تنے پر بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنوں کو ہتھیلیوں سے سہلاتے ہوئے اُس نے مُسکرا کر کہا۔

"اچھا تم یہاں آ گئے ہو ــــ لیکن تمہیں آنے کا خیال کیونکر پیدا

ہوا ؟“

” یوں ہی ـــــ ہم نے تمہیں خط لکھا تھا ـــ“

” کب ؟ مجھے تو کوئی خط نہیں ملا “

” اچھا ؟ تمہیں خط نہیں ملا۔ لیکن ہم نے تو لکھا تھا۔ کہ ـــ“

” تو یہ خط ضرور اِدھر اُدھر ہو گیا ہو گا “ وسلی نے مایوسی بھرے لہجہ میں کہا۔

” خدا کی مار جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ضرور کہیں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے۔ کیوں تمہارا کیا خیال ہے ؟“

” تو تمہیں معلوم نہیں کہ گھر میں کیا کیا واقعات ہو چکے ہیں“ یعقوب نے اپنے باپ کے چہرے پر بے اعتمادی کی نگاہ دوڑاتے ہوئے سوال کیا۔

” میں کیوں کر جان سکتا تھا۔ مجھے خط ہی نہیں ملا “

تب یعقوب نے اُسے بتایا کہ ان کا گھوڑا مر چکا ہے۔ اور فروری کے شروع ہی میں ان کے اناج کا سارا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ اسے کوئی کام نہیں مل سکا۔ اس کے علاوہ چارے کی کمی کی وجہ سے گائے تقریباً مردہ ہو چکی ہے۔ اپریل تک تو انھوں نے جوں توں کر کے کام چلایا لیکن پھر یہ فیصلہ کرنا ہی پڑا کہ یعقوب فصل بونے کے بعد کچھ روپیہ کمانے کے واسطے تین ماہ کے لیے اپنے باپ کے پاس چلا جائے پھر انھوں نے اُسکو خط لکھ کر اپنے فیصلہ سے آگاہ بھی کیا تھا۔ اور پھر انھوں نے تین بھیڑ بیچ کر کچھ اناج اور چارہ وغیرہ خریدا۔ اور اسطرح اب وہ یہاں پہنچ گیا

"اچھا تو یہ بات ہے" وسلی نے جواب دیا۔ "ہونہہ لیکن یہ ہوا کیونکر ہیں نے تمہیں کچھ روپے بھیجے جو تمہیں کیوں نہیں بھیجے نا؟"

"یہ کچھ زیادہ تو نہیں تھے۔ کچھ گھر کی مرمت پر اور کچھ میریا کی شادی پر صرف ہو گئے۔ اور پھر ہم نے ایک نیا گھوڑا خرید لیا تھا ـــ تمہیں تو گھر سے دور رہتے ہوئے پانچ برس ہو گئے ہیں"

"اچھا تو یہ رقم تمہارے خیال میں ناکافی تھی ہاں ٹھیک ہے ـ ارے اُدھر سبزی میں اُبال آ رہا ہے" یہ کہتے ہوئے وسلی تیزی سے باہر چلا گیا۔ اور وہاں آگ کے پاس بیٹھے ہوئے ـــ سبزی اُبل رہی تھی اس نے بے توجہی سے اُسے کچھ ہلایا اور اوپر آئے ہوئے جھاگ کو اتار کر آگ میں پھینک دیا۔

وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جو کچھ لیفوف نے اُسے بتایا تھا اس سے اس کے دل پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا بلکہ ہمدردی کی بجائے بیٹے اور بیوی کے خلاف اس کے دل میں منافقانہ جذبہ جاگ اٹھا تھا۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران میں اس کے اتنا روپیہ بھیجنے کے باوجود ماں اور بیٹے نے کھیت کو تباہ ہو جانے دیا۔ اگر مہمان کا خیال نہ ہوتی تو اس وقت لیفوف پر برس پڑتا اور اسے کھری کھری سناتا اور پوچھتا کہ باپ کی اجازت کے بغیر گھر چھوڑ دینے کی عقل تو ہے تمہیں اتنا شعور نہیں کہ کھیت کا کام کاج چلا سکے۔ وہ کھیت جسے وسلی گاؤں کی سادہ اور آزادانہ زندگی کے دوران میں انمول خیال کرتا تھا

اب اچانک اسے ایک گہرا اور بے پایاں گڑھا معلوم ہونے لگا جس میں وہ پچھلے پانچ سال سے اپنی کمائی کا کچھ نہ کچھ حصہ ڈالتا رہا تھا۔ جیسے وہ روپیہ فالتو اور فضول برباد کیا گیا ہو۔ اس نے چمچے سے سبزی کو ہلایا اور بے اختیار اس کے منھ سے ایک آہ نکل گئی۔

آگ کے چھوٹے چھوٹے شعلے سورج کی تابدار روشنی میں اور بھی لاغر اور زرد دکھائی دیتے تھے اور ہلکے ہلکے دھوئیں کی نیلی نیلی لپٹیں آگ سے نکل کر سمندر کی طرف جا رہی تھیں اور لہروں میں گم ہو رہی تھیں۔ دھوئیں کو دیکھتے ہوئے وسلی کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ اس کی زندگی اور بھی بدمزہ اور ناخوش گوار ہو چلی ہے اور اب اس کی آزادی میں بھی کمی واقع ہو جائیگی۔

اور اس نے سوچا کہ یعقوف نے بلاشبہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ مالوا ——

اور مالوا جھونپڑی میں بیٹھی ہوئی اپنی تسخیر انگیز آنکھوں سے جان بوجھ کر لڑکے کو پریشان کر رہی تھی ان آنکھوں میں ایک دائمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"میرا خیال ہے تم وطن میں اپنا کوئی محبوبہ چھوڑ آئے ہو" یعقوف کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے مالوا نے استفسار کیا۔

"شاید ایسا ہی ہو ——" یعقوف نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا وہ خوبصورت ہے؟" مالوا نے بے پروائی سے پوچھا۔

یعقوب خاموش بیٹھا رہا۔

"تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ حسین معلوم ہوتی ہے؟"

اپنی خواہش کے خلاف یعقوب نے آنکھیں اوپر اٹھائیں اور عورت کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے مالوا کے سانولے اور گول رخساروں کو دیکھا پھر اس کی نگاہ اس کے پیارے پیارے نم آلود اور کپکپاتے ہوئے ادھ کھلے ہونٹوں پر پڑی جن پر وہی تمسخر آمیز مسکراہٹ ابھی تک کھیل رہی تھی جیسے وہ ابھی تک یعقوب کا مذاق اڑا رہی ہو۔ اس کا گلابی رنگ کا سوتی بلاؤز اسے غیر معمولی طور پر کھلا معلوم ہو رہا تھا۔ اس تنگ بلاؤز میں اس کے گول اور سڈول شانے اور گدازا ابھری ہوئی چھاتیاں خاص طور پر نمایاں تھیں لیکن اس عورت کی بیباک اور ہنستی ہوئی نیم وا آنکھوں سے اسے نفرت سی ہونے لگی۔ اس نے ایک سرد آہ بھری۔

"تم اس طرح کی باتیں کیوں کرتی ہو" یعقوب نے بڑے انکسار سے سوال کیا۔ حالانکہ وہ اس وقت اس کے ساتھ نہایت سختی سے بات چیت کرنا چاہتا تھا۔

"تو اور کس طرح کی باتیں کروں —— ؟" مالوا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اور پھر تم ہنستی ہو۔ آخر کیوں؟"

"مجھے تم پر ہنسی آ رہی ہے!"

"کیوں۔ ہیں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" اس نے خفگی سے پوچھا اور نگاہیں نیچے جھکالیں مالوانے کوئی جواب نہ دیا۔

یعقوب نے بخوبی اندازہ کر لیا کہ اس کے باپ کے ساتھ اس کے کیا تعلقات ہیں۔ اور اس خیال کے آتے ہی وہ اس کے ساتھ آزادانہ گفتگو کرنے سے ہچکچانے لگا۔ باپ کے اس اقدام پر اسے تعجب نہ ہوا۔ کیونکہ اس نے سُن رکھا تھا کہ اپنے گھروں سے دُور کام کرنے والے لوگ مزے سے وقت گذارتے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اس کے باپ ایسے کسی بھی تندرست اور توانا آدمی کے لیے زیادہ دیر تک عورت کے بغیر رہنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود وہ اس عورت کی موجودگی میں بلکہ اپنے باپ کی موجودگی میں بھی وہاں بیٹھنا اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ تب اُسے یک بیک اپنی ماں کا خیال آیا۔ ایک تھکی ہاری خستہ حال عورت جو گاؤں میں غلاموں کی طرح مشقت کی زندگی بسر کر رہی ہے

"رات کا کھانا تیار ہے" وسلی نے جھونپڑی میں آکر اعلان کیا "مالوا چمچے لے آؤ۔"

یعقوب نے باپ کی طرف دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ وہ اکثر یہاں آجایا کرتی ہوگی۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ چمچے کہاں رکھے ہوئے ہیں۔
مالوا چمچے لے آئی اور بولی "میں انہیں ابھی دھوکر لاتی ہوں اور کشتی میں جو واڈکا کی بوتل پڑی ہے وہ بھی لے آتی ہوں" یہ کہکر وہ جھونپڑی سے باہر

چلی گئی۔"

باپ بیٹے نے اُسے باہر جاتے ہوئے دیکھا اور جب وہ چلی گئی تو ایک خاموشی چھا گئی تھوڑی دیر کے بعد وصلی نے یعقوب سے دریافت کیا تمہیں اس سے ملنے کا اتفاق کیونکر ہوا۔

"میں تمہارا ٹھکانا پوچھنے کے لیے دفتر تک گیا تھا۔ یہ بھی دہاں تھی اس نے مجھے کہا تمہیں اتنا راستہ ریت پر پیدل طے کرنا پڑے گا۔ آؤ ہم اکٹھے کشتی میں چلیں گے۔ میں بھی وہیں جا رہی ہوں۔ اس طرح ہم اکٹھے یہاں تک آ گئے۔

"ہاہا ــــ ہا ــــ میں اکثر دل میں سوچتا تھا کہ اب یعقوب کتنا بڑا ہو گیا ہوگا اور اب کیسا لگتا ہو گا"

جواب میں بیٹے نے پرخلوص مسکراہٹ سے باپ کی طرف دیکھا۔ اس سے وصلی کا حوصلہ ذرا بڑھ گیا۔

"کتنی اچھی اور ننھی منی عورت ہے ــــ کیوں؟"

"اتنی بُری نہیں" یعقوب نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے غیر ارادی طور پر کہا۔

"بھائی آدمی کرے تو کیا کرے ــــ؟ وصلی نے اپنا بازو ہلاتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔

"پہلے تو میں نے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ لیکن میں زیادہ دن تک ضبط نہ کر سکا ـــــ آخر میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں۔ اور اس کے علاوہ یہ میرے کپڑے بھی درست کرتی ہے۔ اور دوسری کئی چیزیں بھی ہوتی ہیں عزیز من! عورت سے بچنا سوت سے بچنے سے کم دشوار نہیں"

اس نے آخری جملہ پُر اعتماد انداز سے ادا کیا۔

"لیکن مجھے اس سے کیا۔ یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ تمہارے متعلق رائے قائم کرنا میرا کام نہیں"

لیکن دل ہی دل میں یعقوب نے کہا" بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مالوا ایسی عورت تمہارے پاس بیٹھی پا جائے رنوکرانی رہے"

"اس کے علاوہ ـــــ" وسلی نے پھر کہنا شروع کیا " اس کے علاوہ میری عمر ابھی پچیس برس کی ہے۔ میں اس پر کچھ زیادہ خرچ بھی نہیں کرتا۔ وہ میری بیوی تو ہے نہیں"

ـــــ ٹھیک ہے نہیں ہو گی" یعقوب نے مان لیا لیکن دل ہی دل میں اس نے سوچا کہ وہ اس کی جیب تو پھر بھی اچھی طرح خالی کر دیتی ہو گی۔ یقیناً میں اس کے لیے شرط لگا سکتا ہوں۔

مالوا ہاتھ میں واڈکا کی بوتل لیے ہوئے واپس آگئی۔ وہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ خاموشی سے کھانا کھاتے کھاتے وہ مچھلی کی ہڈیوں کو زور

زور سے چیخ کر دروازے کے قریب ریت پر پھینکتے رہے۔ یعقوب نے معمول سے بہت زیادہ کھا لیا۔ اور بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارتا رہا۔ اور مالوا کو اس سے خوشی ہوئی کیونکہ جب وہ یعقوب کو موٹے موٹے اور تر ہونٹوں سے مچھلی کی ہڈیوں کو جلدی جلدی جھنجھوڑتا ہوا دیکھتی تو اس کے چہرے پر ایک شفقت بھرا تبسم ناچنے لگتا۔

وسلی نے کم کھایا۔ اگرچہ اس نے ایسا ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اس کی تمام تر توجہ اپنے کھانے کی طرف مبذول ہے لیکن در اصل اس نے ایسا اس لیے ظاہر کیا تاکہ مالوا یا اپنے بیٹے کی مداخلت کے بغیر یہ سوچ سکے کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ یعقوب کے بارے میں کیا قدم اٹھانا ہے۔

لہروں کی سہانی موسیقی کا تسلسل آبی پرندوں کی کلکاریوں نے توڑ دیا تھا۔ گرمی کی شدت کچھ کم ہو گئی تھی اور کبھی کبھی سمندری پانی کی باس لدی ہوئی ہوا کا کوئی خنک جھونکا جھونپڑی میں سے بھی گزر جاتا۔

لذیذ کھانا کھا لینے اور واڈکا پیالہ پی لینے کے بعد یعقوب کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک والہانہ مسکراہٹ تھرکنے لگی۔ اور اسے جمائیاں آنے لگیں اور اس نے مالوا کی طرف کچھ ایسے انداز سے دیکھا کہ وسلی کو مجبوراً کہنا پڑا" یعقوب! میرے بچے جاؤ ذرا سو جاؤ۔ جب تک چائے تیار ہوتی ہے تم ذرا سو لو۔ چائے تیار ہونے پر ہم تمہیں جگا لیں گے۔"

"ہاں ہاں میرا ابھی بھی خیال ہے کہ میں سو جاؤں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو بوریوں کے انبار پر گرا دیا: "لیکن — تم دونوں کہاں جا رہے ہو — قہ۔ قہ۔ قہ"

وسلی اس قہقہہ سے گھبرا سا گیا اور تیز قدم اٹھاتے ہوئے جھونپڑی سے باہر ہو گیا لیکن مالوا نے اپنے ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے کھویا او پر اٹھائیں اور کہا: "ہم کہاں جا رہے ہیں۔ اس سے تمہیں کیا مطلب تم کون — تم کل کے چھوکرے ابھی یہ باتیں نہیں سمجھ سکتے — ؟"

"میں کون ہوں — بہت اچھا میں تمہیں سمجھاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ تم سمجھتی ہو کہ تم بہت ہوشیار ہو" یعقوب نے بلند آواز سے کہا۔ لیکن اتنے میں مالوا جھونپڑی سے باہر جا چکی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک اور بکتا رہا اور پھر اپنے سُرخ چہرے پر ایک خمار آلود مسکراہٹ لیے ہوئے سو گیا۔

وسلی نے تین لاٹھیاں زمین میں گاڑ دیں اور ان کے سروں کو ایک دوسرے سے باندھ کر ان کے اوپر کچھ بوریاں ڈال دیں اور ان کے سائے تلے بازو کو سرہانے رکھ کر لیٹ گیا اور آسمان کی طرف گھورنے لگا۔

جب مالوا بھی آکر ریت پر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی تو وسلی نے اپنا منھ اس کی طرف پھیرا۔ مالوا نے محسوس کیا کہ وہ ناراض ہے۔

"کیا بات ہے۔ تمہیں اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی۔ اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں ——— وہ ہنس ہنس کر میرا مذاق اڑا رہا ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے" وسلی غرّایا۔

"اچھا ——— میری وجہ سے، مالوا نے تمسخر آمیز حیرانی سے پوچھا

"تو اور کیا۔ تم کیا سمجھتی ہو؟"

"اُف بوڑھے سیہ کار! تو تم اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تمہیں ملنے کے لیے آیا کروں؟ بہت اچھا میں نہیں آؤں گی"

جاؤ، گرتی کہیں کی ——" وسلی نے نفرت سے کہا، "تم دونوں ایک جیسے ہو۔ وہ بھی مجھ پر ہنس رہا ہے اور تم بھی۔ اس کے باوجود تم دونوں سے میرا گہرا اور اٹوٹ تعلق ہے لیکن شیطانو تم مجھ پر ہنستے کیوں ہو؟" یہ کہہ اس نے مالوا کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور خاموش ہو گیا۔

مالوا نے گھٹنے سکیڑتے ہوئے اور بدن کو دھیرے دھیرے گھماتے ہوئے سمندر کی جھلملاتی ہوئی سطح پر نظر ڈالی اور ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جس کے خزانے صرف انہیں عورتوں کے پاس ہوتے ہیں جنہیں اپنے حسین ہونے کا بخوبی احساس ہوتا ہے ساحل سے بہت دور ایک کشتی سمندر کی نیلگوں سطح پر تیرتی ہوئی ایسے دکھائی دے

رہی تھی جیسے کوئی بھورے پروں والا بڑے قد کا بھدا سا پرندہ ہو۔ یہ کشتی تیزی سے دُور چلی جا رہی تھی دُور بہت دُور۔ اس نیلگوں خلا کی طرف جہاں آسمان اور سمندر ایک دوسرے میں مدغم ہو رہے تھے۔

"تم بولتی کیوں نہیں" وسلی نے کہا۔

"میں سوچ رہی ہوں" مالوا نے جواب دیا۔

"کس چیز کے بارے میں"

"کوئی خاص چیز نہیں" مالوا نے بھویں سکیڑتے ہوئے کہا۔ اور ایک مختصر سے وقفہ کے بعد پھر کہنے لگی۔

"تمہارا بیٹا ایک خوب رُو نوجوان ہے"

"تمہیں اس سے کیا؟" وسلی نے حاسدانہ جذبات سے متاثر ہو کر کہا۔

"بہت کچھ" مالوا نے جواب دیا۔

"دیکھنا ذرا محتاط رہنا" وسلی نے تنبیہ اور غصّہ سے بھری ہوئی نگاہیں مالوا پر گاڑتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف نہ بنو۔ میں ایک نہایت سکون پسند اور خاموش آدمی ہوں لیکن اگر مجھے مشتعل کر دیا جائے تو بہت بُری بلا ہوں۔ مجھے نہ ستاؤ۔ ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا" اپنی مٹھی کو بھینچتے ہوئے اور دانت پیستے ہوئے اس نے پھر کہا آج صبح جب تم یہاں آئیں تو میں نے بھانپ لیا تھا کہ تم کوئی نہ کوئی گُل کھلانے والی

ہو لیکن میں ابھی تک یہ نہیں جان سکا کہ تم کیا کرو گی۔ پھر بھی یہ جان لو جب بھی مجھے معلوم ہو گیا تمہارے حق میں بہت بُرا ہوگا۔ میں تم ایسیوں سے نپٹنا جانتا ہوں۔ یہ جان لو ہاں —"

" مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو وسلی! مالوا نے وسلی کی طرف بغیر دیکھے لا پروائی سے کہا۔

" تو تم بھی یہ چالیں چلنے کی کوشش نہ کرو"

" مجھے دھمکاؤ نہیں"

" اگر تم اپنے ہتھکنڈوں پر اتر آئیں تو میں تمہاری اچھی طرح مرمت کردوں گا۔ وسلی نے جوش میں آتے ہوئے کہا۔

" کیا کہا تم مجھے پیٹو گے؟" مالوا نے کمال اضطراب سے اس کے مشتعل چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو۔ تم کوئی نواب زادی تو ہو نہیں ——— ہاں ہاں میں تمہیں پیٹوں گا"

" اوہ ——— تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ اپنی بیوی، مالوا نے پرسکون انداز سے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر پھر کہنے لگی" چونکہ تم اپنی بیوی کو بلا وجہ پیٹنے کے عادی ہو۔ اس لیے تم سمجھتے ہو کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرو گے۔ لیکن تمہیں سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں خود اپنی مالک ہوں اور مجھے کسی کا ڈر نہیں

— لیکن تم اپنے بیٹے سے ڈرتے ہو۔ مجھے تو وہ منظر دیکھ کر ذلت محسوس ہو رہی تھی جب تم آج صبح اس کے سامنے بندر کی طرح ناچ رہے تھے۔ اور اس پر بھی تم مجھے دھمکانے کا حوصلہ رکھتے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے نفرت سے اپنا سر جھکا لیا اور خاموش ہو گئی۔

اس کے نفرت اکو اور درشت الفاظ نے وسلی کے غصے کو سرد کر دیا اس نے مالوا کو اس قدر حسین کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"تم تو بہت گہرائی تک چلی جاتی ہو" اس نے تحقیر آمیز لہجہ میں کہا — وہ مالوا سے برہم تھا پھر بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

" اور وہاں میں تمہیں ایک بات اور بتا دوں" مالوا جیسے پھٹ پڑی، "تم نے سرجوزکا کے آگے شیخی بگھاری تھی کہ میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں اور تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی — لیکن تم غلطی پر ہو یہ تم نہیں جسے میں چاہتی ہوں، یہ تم نہیں جسے میں ملنے آتی ہوں بلکہ شاید وہ یہ جگہ ہے یہ مقام ہے" یہ کہتے کہتے وہ ریت پر ہاتھ پھیرنے لگی "شاید میں اس مقام کو چاہتی ہوں کیونکہ یہ ویران اور خاموش ہے۔ یہاں آسمان اور سمندر کے سوا کچھ نہیں — آس پاس کوئی ناپسندیدہ انسان نہیں۔ تم یہاں رہتے ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تو محض ایک قیمت ہے جو مجھے اس مقام پر آنے کے لیے ادا کرنا پڑتی ہے۔ اگر سرجوزکا یہاں ہوتا تو میں اس کے پاس بھی آ جاتی اگر تمہارا

بیٹا یہاں ہو تو میں اس کے پاس آؤں گی۔ لیکن سب سے بہتر یہی ہوگا کہ یہاں کوئی بھی نہ ہو۔ میں تم سب سے پریشان ہو چکی ہوں۔ میں حسین ہوں اور جب بھی چاہوں کوئی مرد تلاش کر سکتی ہیں۔ اپنی پسند اور اپنی مرضی کا مرد"

"اچھا تو یہ بات ہے" وسلی پھنکار اٹھا اور ایک بیک اس نے مالوا کا گلا اپنے مضبوط پنجے میں دبوچ لیا۔ "تو تمہارا خیال یہ ہے"

اس نے مالوا کو جھنجھوڑا۔ لیکن مالوا نے ذرا بھی مزاحمت نہ کی اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھیں خون کبوتر ہو گئیں۔ اس نے صرف اپنے ہاتھ وسلی کے ہاتھوں پر رکھ دیئے جو مضبوطی سے اس کی گردن دبائے ہوئے تھے۔ اور اپنی نگاہیں اس کے چہرہ پر گاڑ دیں۔

"تو تم اس قسم کی عورت ہو" وسلی نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ غصہ تیزی سے اس کے اوپر غلبہ پا رہا تھا" تم اب تک اس بارے میں خاموش رہیں واہیات عورت! — تم مجھے چھیڑتی رہیں — میرے ساتھ چونچلے کرتی رہیں — خوب میں تمہیں مزہ چکھاتا ہوں"

مالوا کا سر نیچے جھکا کر اس نے پوری طاقت سے اس کی گردن پر دبتے ہوئے بھاری بھرکم گھونسے رسید کیے اور اپنی بھنچی ہوئی مٹھی کو مالوا کی نرم و گداز گردن پر پڑتے ہوئے محسوس کر کے اسے دلی مسرت ہوئی۔

"ہوں۔ ناگن کہیں کی" اس نے فاتحانہ انداز سے کہا اور اسے دھکا دیکر

دُور گرا دیا۔

مالوا نے اُف تک نہ کی۔ سانس تک لیے بغیر وہ ریت میں دھنس گئی اور پیٹھ کے بل پڑی رہی۔ خاموش اور بالکل شانت۔ بال بکھرے ہوئے اور چہرہ تمتمایا ہوا۔ لیکن بھوری آنکھوں میں پلکوں کے سائبان تلے سرد مہری اور نفرت رقص کر رہی تھی۔

وسلی جوش میں تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ اُسے غصّہ کا اس طرح اظہار کر کے ایک گونہ اطمینان ہو رہا تھا۔ وہ مالوا کی نگاہوں میں ناچتی ہوئی نفرت کو نہ دیکھ اور جب اس نے فاتحانہ انداز سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ اس کے ہونٹ کھل اُٹھے آنکھوں میں چمک آ گئی۔ اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وسلی کی طرف دیکھنے لگی۔

یہ کیا بات ہے چڑیل ؟ وسلی اپنے بازو کو تیزی سے جھٹکتے ہوئے چلّایا

"وسلی" مالوا نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا "کیا یہ تم تھے جس نے مجھے مارا"

"ہاں ہاں میں نہیں تو اور کون تھا؟"

وسلی نے مالوا کی طرف دیکھ کر سٹپٹاتے ہوئے کہا۔ اسے کچھ نہ سوجھتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کیا وہ پھر اُسے پیٹے۔ لیکن اب اس کا غصّہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور اب وہ اس پر بار بار ہاتھ اُٹھانے کے خیال تک برداشت نہ کر سکتا تھا۔

"تو اس کا مطلب ہے تمہیں میرے ساتھ محبت ہے۔ کیوں ہے نا یہی بات"
مالو نے پھر سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ اس سرگوشی نے وسلی کے دل میں ایک تند و تیز لہر دوڑا دی جو اس کے بدن کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

"بہت خوب۔ جتنے کی تم مستحق ہو تمہیں اس کا آدھا حصہ بھی نہیں ملا"

"میں یہ سمجھ رہی تھی کہ اب تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔ میں سمجھتی تھی کہ اب تمہارا بیٹا آ گیا ہے۔ اور اب تم مجھے نکال دو گے" اس نے یہ کہہ کر ایک عجیب اور بلند قہقہہ بلند کیا۔

"بدھو کہیں کی، وسلی ضبط نہ کر سکا وہ بھی ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"میرا بیٹا ــــ! میرا بیٹا مجھ پر حکم تو نہیں چلا سکتا۔

اور یہ کہنے کے بعد اُسے ندامت محسوس ہونے لگی اور دل ہی دل میں مالو کی حالت پر افسوس ہوا۔ لیکن پھر اسے ایک دم وہ الفاظ یاد آ گئے جو مالو نے کہے تھے۔ اور وہ درشت لہجہ میں کہنے لگا" میرے بیٹے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر میں نے تمہیں پیٹا ہے تو اس میں تمہارا اپنا قصور ہے تمہیں مجھے ستانا نہیں چاہیے تھا"

"لیکن میں نے تمہیں آزمانے کے لیے ایسا جان بوجھ کر کیا تھا" اُس نے وسلی کے شانوں سے لگتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے آزمانے کے لیے ــــ آخر کیوں ــــ اچھا اب تو تم نے جان

کوئی مزدور بھاری بوجھ اُتار کر پھینکنے کے بعد سانس لیتا ہے۔

کچھ دیر کے بعد وہ تینوں آگ کے گرد بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے مغربی اُفق میں ڈوبتا ہوا سورج اپنی حسین کرنوں سے سطح سمندر پر رنگین نقوش بنا رہا تھا۔ سمندر کی لہریں چمکیلی، اور شفاف تھیں اور سفید اور گہرے جامنی رنگ کا جاذب نظر امتزاج پیش کر رہی تھیں۔

وِسلی نے ایک بڑے سے پیالے میں چائے کے گھونٹ پیتے پیتے گاؤں کے بارے میں اپنے بیٹے سے سوال کرنے شروع کر دیئے جن کے جواب میں یعقوب نے وہ سب کچھ اسے بتایا جو اُسے یاد تھا۔ مالوالان کی یہ طویل اور غیر دلچسپ گفتگو سنتی رہی اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں مخل نہ ہوئی۔

"خوب تو اپنے ہم قوم ـــ لوگ وطن میں ویسے ہی اپنا کام کاج کر رہے ہیں۔"

"ہاں جوں توں کر کے کچھ نہ کچھ کر رہی ہے،" یعقوب نے جواب دیا۔

"ہم ناحق کچھ زیادہ نہیں چاہتے ـــ کیوں؟ ـــ بس کھانے کو روٹی مل جائے اور چھٹی کے دن واڈکا کا ایک گلاس ـــ"

"لیکن ہمیں یہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کیا تم سمجھتے ہو اگر وہاں روزی مل سکتی ہے تو مجھے اس طرح گھر چھوڑنا منظور ہوتا۔ گھر میں خود مالک تھا۔ وہاں ہر آدمی کے برابر میری اہمیت تھی لیکن یہاں میری

کیا حیثیت ہے ـــــ ایک نوکر ہی تو ہوں!"

"لیکن یہاں تمہیں کھانے کو تو زیادہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کام بھی زیادہ مشقت طلب نہیں ـــــ"

"نہیں، مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ یہاں کئی بار اس قدر مشقت کرنی پڑتی ہے کہ ہڈیاں درد کرنے لگ جاتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہاں مالک کے لیے کام کرنا پڑتا ہے۔ گاؤں میں آدمی اپنے لیے کام کرتا ہے۔

"لیکن تم کماتے بھی تو زیادہ ہو" یعقوب نے جھٹ جواب دیا۔ دل ہی دل میں وہ بھی اپنے بیٹے سے متفق تھا ـــــ گاؤں میں یہاں کی نسبت زندگی واقعی دشوار اور کٹھن تھی اور کام کافی سخت تھا لیکن مصلحت کی بنا پر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا بھی یہی سمجھ لے اس لیے اس نے سختی سے جواب دیا۔

"کیا تم نے کبھی اس رقم کا حساب کیا ہے، میرے بیٹے، جو ہم یہاں کماتے ہیں اب اپنے گاؤں میں ـــــ"

"گاؤں! گاؤں تو بس ایک گڑھے کی مانند ہے جو تاریک ہے اور ٹھساٹھس بھرا ہوا ہے،" مالوا نے مسکراتے ہوئے بات کاٹ کر کہا، "بالخصوص ہم عورتوں کے لیے ـــــ اس میں سوائے آنسوؤں کے اور کچھ نہیں!"

عورتوں کے لیے ہر کہیں ایسا ہی ہے اور ان کے لیے ایک سی روشنی ہے، ایک ہی سورج ہے جو ہر جگہ چمکتا ہے" دلی نے مالوا کی طرف خفگی سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

" یہاں تم غلطی پر ہو" مالوا نے جوش سے کہا اگر میں گاؤں میں رہوں تو مجھے ضرور شادی کرنی ہوگی۔ چاہے میری خواہش ہو یا نہ ہو۔ اور شادی شدہ عورت محض ایک غلام ہے ہیننفل غلام ۔ فصل کاٹو ۔ سوت کاتو ۔ مویشیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرو اور بچے جنو ۔ آخر اس کے لیے اور کیا رکھا ہے؟ ۔ کچھ بھی نہیں ۔۔۔ سوائے شوہر کی لعنت ملامت ۔ جھڑکیوں اور لات گھونسوں کے ۔ کچھ بھی نہیں اور کچھ بھی نہیں ۔۔۔!!

" ساری زندگی میں لات گھونسے ہی نہیں ہوتے،، وسلی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" مجھے دیکھو میں کسی منسلک نہیں ہوں، مالوا نے اس کی بات کو ان سنا کرتے ہوئے کہا" اور میں آبی پرندوں کی طرح آزاد ہوں جہاں دل چاہے چلی جاؤں ۔۔۔ کوئی میرا راستہ مسدود نہیں کر سکتا۔ ۔۔۔ کوئی مجھے چھو تک نہیں سکتا "

" اور اگر کوئی نہیں چھولے تو ۔۔۔،، وسلی نے دن کے بیتے ہوئے

واقعہ کو یاد کرکے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اگر کوئی چھوئے گا تو میں اُسے مزہ چکھاؤں گی"، مالیا نے دھیمی آواز میں کہا اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں کی چمکیلی لہریں جیسے ماند پڑ گئیں۔

وسلی نے ایک آزادانہ قہقہہ لگایا" ہا ہا تم ایک شکاری بلی ہو لیکن بزدل۔ تم بالکل عورت ہی ہو۔ اور عورتوں جیسی ہی باتیں کرتی ہو ——— گاؤں میں اپنے گھر پر تو آدمی کو شریک زندگی کے طور پر ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہاں عورت کا وجود اس لیے ہے کہ اس کے ساتھ کھیلا جائے" اور ذرا سے وقفہ کے بعد اس نے مزید کہا "اس لیے کہ اس سے رنگ رلیاں منائی جائیں"

انھوں نے گفتگو بند کر دی۔ یعقوب نے سوچ بچار کے عالم میں ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا" سمندر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُس کا کوئی کنارہ ہی نہ ہو"

اور تینوں سامنے پھیلے ہوئے سمندر کی پنہائی کا جائزہ لینے لگے یعقوب نے اپنے بازوؤں کو پھیلاتے ہوئے بلند آواز میں کہا" کاش یہ سارے کا سارا زمین ہوتا ——— سیاہ مٹیالی زمین اور ہم اس سارے میں ہل چلا دیتے"

"اوہ یہ بات ہے! تمہاری یہی خواہش ہے! ——— کیوں؟" وسلی نے

خوش مزاجی سے ہنستے ہوئے بیٹے کی طرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا —"

یعقوف کا چہرہ اپنی اس خواہش کے تصور میں سُرخ ہو رہا تھا جس کا اظہار اس نے ابھی ابھی کیا تھا۔ سلی بھی یہ بات سُن کر کہ یعقوف کو زمین سے محبت ہے بہت خوش ہو رہا تھا۔

اِسے یہ خوشی کیوں ہوئی؟ شاید اس لیے کہ زمین کی محبت یعقوف کو جلد ہی گاؤں کی طرف واپس کھینچ لے جائے گی اور پھر وہ اور مالوا ہی رہ جائیں گے اور سب کچھ پہلے کی طرح ہی ہوا کرے گا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو یعقوف! کسان کی یہی خواہش ہونا چاہیئے — کسان بہت طاقت ور ہے جب تک زمین سے اس کا رشتہ ہے وہ زندہ ہے، جب یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے کسان بھی مر جاتا ہے۔ بغیر زمین کا کسان ایک ایسے درخت کی طرح ہے جس کی شاخیں نہ ہوں۔ ہو سکتا ہو یہ کسی حالت میں سود مند ہو مگر ایسی حالت میں وہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا درخت خوبصورت بھی ہو تو ویسا ہے جو جنگل میں پایا جاتا ہے — بالکل ننگا اور کھردرا — ایک ہیبت ناک چیز جو تم کہہ رہے ہو وہ صحیح ہے یعقوف!"

اور سمندر نے سورج کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے اسے اپنی رنگین

لہروں کے سنگیت سے خوش آمدید کہا روشنی کے واحد ذریعہ اور زندگی کے خالق سُورج نے سمندر کو الوداع کہی۔ اور اس سوئی ہوئی زمین کو اپنی حیات آفریں کرنوں سے بیدار کرنے کے لیے چل پڑا جو یہاں ان تینوں انسانوں سے بہت دُور تھی۔ اور وہ تینوں بڑے انہماک سے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"بخدا! جب میں سورج کو غروب ہوتے دیکھتا ہوں تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔" نسلی نے ناآلوا سے کہا۔ مگر ناآلوا نے کوئی جواب نہ دیا۔ یعقوف کی نیلی آنکھیں سُورج کو دُور افق میں ڈوبتے دیکھ کر مُسکرائیں اور پھر تینوں دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے جہاں دن کے آخری لمحات ختم ہو رہے تھے ان کے سامنے آگ کے شعلے تھے اور ان کے پیچھے رات اپنے سائے پھیلاتی بڑھی آ رہی تھی اور فضا پر خواب کی سی سہانی کیفیت طاری تھی ـــــ یہاں تک کہ سمندر کی لہریں جو دن بھر ہنگامہ برپا کرتی رہی تھیں اب نسبتاً خاموش دکھائی دے رہی تھیں۔

"میں اب تک یہاں کیوں بیٹھی ہوں۔ اُس وقت تک مجھے چلے جانا چاہیئے تھا۔" اچانک ناآلوا نے کہا۔

نسلی کانپ سا گیا اور اس نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔"

جلدی کیا ہے ، چاند نکلنے کا انتظار کرو ۔"

" میں ایسا کیوں کروں ۔ مجھے خوف تو محسوس نہیں ہوتا ۔ اور پھر یہ ایک رات میں یہاں سے واپس جانے کا میرے لیے یہ پہلا موقع تو نہیں ہے ۔"

یعقوب نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور پھر اس نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے اپنا سر جھکا لیا ۔ پھر اس نے مالوا کی طرف دیکھا اور یعقوب کو اپنی طرف دیکھ کر مالوا بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئی ۔ لیکن یعقوب کو مالوا کا اپنی طرف دیکھنا اچھا محسوس نہ ہوا ۔

" اچھی بات ہے جاؤ پھر " وسلی نے کچھ ناراضی اور اداسی کے ملے جلے جذبات میں کہا ۔

مالوا اٹھی اور شب بخیر کہہ کر کنارے کنارے آہستگی سے چلنے لگی لہریں اس طرح اس کے قدموں پر پڑ رہی تھیں جیسے ان سے کھیل رہی ہوں ۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور جوں جوں مالوا باپ اور بیٹے سے جو اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے دور ہوتی جا رہی تھی اس کا چکدار بلاؤز مدھم ہوتا جا رہا تھا اور مالوا بلند آواز میں گاتی ہوئی جا رہی تھی ۔

" میرے پیارے محبوب !

" میرے پاس جلد لوٹ آؤ ۔

نہیں کیا خبر میرا دل تم سے بغل گیر ہونے کے لیے کس قدر بیتاب ہے "

وسلی کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ رُک گئی ہو۔ اور اس کا انتظار کر رہی ہو۔
اس نے غصہ سے زمین پر تھوکا اور دل میں سوچنے لگا کہ وہ جان بوجھ کر
مجھے ستانے کے لیے ایسا کر رہی ہے۔ چڑیل کہیں کی!

"اس کو توجہ سے سُنو" یعقوب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دُور سیاہی میں مالوا ایک دھندلا سا نقطہ بن کر رہ گئی تھی اور دُور
کہیں پھر اس کے گیت کی آواز گونجی۔

"میری گداز چھاتیوں سے .....
دُور نہ بھاگو۔
یہ تو دو سفید سفید راج ہنس ہیں۔

دو سُنا تم نے، یعقوب نے یک بیک چونک کر دُور خلا کے اس طرف
جہاں سے یہ پُرکشش اور مسحور کن آواز آ رہی تھی گھورتے ہوئے کہا۔"

"اچھا تو تم کھیتوں کا کام کاج نہ چلا سکے" وسلی نے ایکا ایکی دہشت
لہجہ میں سوال کر دیا۔

اور جواب میں یعقوب نے سٹپٹا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا اور
خاموشی سے وہیں اس کے پہلو میں بیٹھا رہا۔ اب بھی سمندر کی پُرشور لہروں
میں چھپے ہوئے اس میٹھے اور رسیلے گیت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس کے کانوں
تک پہنچ رہے تھے۔

"آہ میں آج رات کو اکیلی۔
اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔
ہائے نیند مجھ سے دور بھاگتی ہے"

"بھئی بہت سخت گرمی ہے" ہسلی نے ریت پر لیٹے ہوئے کہا رات ہوگئی ہے۔ لیکن گرمی پھر بھی جون کی نوں ہے۔ کیا منحوس علاقہ ہے یہ"

"دراصل یہ ریت کی وجہ سے ہے۔ یہ دن میں بہت تپ گئی تھی"
یعقوب نے پہلو بدل کر ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے تم کس بات پر ہنس رہے ہو" اس کے باپ نے پھر سختی سے استفسار کیا ——

"میں ——کھلا ہنسنے کی بات ہی کیا ہے؟" یعقوب نے بھولے پن اور معصومیت سے جواب دیا۔

"واقعی بات تو کوئی بھی نہیں تھی"
دونو خاموش ہو گئے۔

موجوں کے شور میں انھیں ہلکی ہلکی سی آہیں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی درد بھری آواز میں کسی کو پکار رہا ہو۔

دو ہفتے گذر گئے۔ اور اتوار پھر آ پہنچا۔

ڈسلی حسبِ دستور اپنی جھونپڑی کے مقابل ریت پر پڑا ہوا تھا اور اس کی نگاہیں ماتیوا کے انتظار میں سمندر کی سطح پر جمی ہوئی تھیں۔

ویران سمندر سورج کے عکس کے ساتھ کھیلتے ہوئے قہقہے لگا رہا تھا سمندر کا تموج تیزی سے دوڑتا ہوا ریت پر پھیل جاتا اور خشک ریت کو سیراب کر کے پھر سمندر کی طرف پلٹ جاتا تھا۔ ہر چیز اسی طرح دکھائی دیتی تھی جس طرح آج سے دو ہفتے پہلے تھی۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ اس دن ڈسلی خاموشی اور اطمنان سے اپنی محبوبہ کا انتظار کر رہا تھا لیکن آج وہ بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ گذشتہ اتوار وہ نہیں آئی اس لیے اس اتوار کو ضرور آئے گی۔ اُسے اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ اسے دیکھنے کے لیے ترس رہا تھا ـــــ اور پھر آج یعقوب بھی خلل نہ ڈال سکے گا کیونکہ دو روز پہلے جب وہ کچھ اور ماہی گیروں کے ساتھ اپنے لیے جال لینے آیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ وہ اتوار کو اپنے لیے قمیص خریدنے بازار جائے گا۔ اسے پندرہ روپے ماہوار پر ماہی گیری کی نوکری مل گئی تھی اور اب وہ اکثر مچھلیاں پکڑنے کے لیے باہر ہی رہا کرتا تھا۔ اور اب وہ پہلے سے زیادہ مسرور دکھائی دیتا تھا۔ دوسرے ماہی گیروں کی طرح اس کے کپڑوں سے بھی مچھلی کی بو آتی تھی اور انہیں کی طرح وہ بھی چیتھڑوں میں ملبوس رہتا تھا ـــ جب وسلی کو اس بات کا خیال آیا تو اس کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔

وسلی پھر سوچنے لگا کہ لڑکا یہاں رہ کر بدچلن ہو جائے گا۔ اور شاید پھر وہ گھر واپس جانے سے انکار کر دے۔ اس صورت میں مجھے ہی جانا پڑے گا۔

سمندر پر شور و ویران تھا۔ صرف چند آبی پرندے اِدھر اُدھر محو پرواز تھے۔ سمندر پر دور تک کہیں کوئی کشتی نظر نہیں آتی۔ سورج کی تیز چمکدار شعاعیں سمندر پر ناچ رہی تھیں۔ اس نے سوچا پہلے تو مالوا اس سے بہت پہلے آ جایا کرتی تھی۔

دو آبی پرندے ہوا میں لڑتے لڑتے گتھم گتھا ہو گئے۔ ان کے سفید اور

بھورے رنگ کے پر ادھر اُدھر گرنے لگے اور ان کی چیخوں کا بے ہنگم شور لہروں کی خوشگوار موسیقی میں گھل گیا۔

یہ دونوں پرندے ایک دوسرے کو چونچیں مارتے ہوئے اور درد اور غصے سے چیختے ہوئے تیزی سے اُڑ کر سطح سمندر سے ہمکنار ہو گئے اور پھر یک بیک آسمان کی بلندیوں میں ایک دوسرے کا تعاقب کرنے لگے۔ اور پھر اچانک ان کے رفیقوں کے ایک ٹولے نے جھپٹ کر سمندر سے ایک موٹی سی مچھلی پکڑ لی جس نے پانی کی نیلی چادر سے ذرا جھانک لینے ہی کی خطا کی تھی۔

سمندر بدستور ویران رہا اور وہ سیاہ رنگ کا دھبہ جس سے وسلی کی نگاہیں خوب مانوس ہو چکی تھیں پانی کی سطح پر نمودار نہ ہوا۔

"تو تم آتیں نہیں —— بہت اچھا نہ آؤ —— تم سمجھتی کیا ہو؟" وسلی نے غصے سے کہا اور پھر کھنکار کر ساحل کی طرف تھوکا۔ اور سمندر جیسے اس حرکت پر کھلکھلا اُٹھا۔

وسلی اُٹھا اور کھانے پکانے کے ارادے سے جھونپڑی کے اندر چلا گیا لیکن کھانے کی خواہش مر چکی تھی۔ اس لیے وہ پھر اپنی جگہ پر آ کر ریت پر لیٹ گیا ——

اس نے دل میں سوچا کہ کم از کم سریوزکا تو ضرور آئے گا اور اس نے اپنے آپ کو سریوزکا کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ شخص تو چلتی پھرتی

دعشت ہے۔ ایک ہتوا سا۔ ہر ایک پر تو ہنسنا ہے اور پھر جب وقت دیکھو لڑائی کے لیے کمر بستہ۔ بیل کی طرح مضبوط اور طاقت ور ——— اور پھر کچھ واقفیت اور تجربہ بھی رکھتا ہے۔ بے شمار علاقوں اور مقامات پر ہو آیا ہے ——— لیکن وہ شرابی بھی تو ہے ——— پھر بھی اس کا سا نہ اچھا ہے۔ تمام عورتیں اس پہ جان دیتی ہیں۔ اور چاہے بہت مدت سے یہاں نہیں رہا لیکن پھر بھی سب اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی ہیں ——— لیکن صرف مالوا ——— مالوا اس سے دور رہتی ہے "

اور پھر یک لخت اُسے مالوا کا خیال آگیا۔ وہ ابھی تک نہیں آئی۔ کس قدر سنگ دل ساحرہ ہے، شاید وہ مجھ سے خفا ہے ——— کیونکہ میں نے اُسے پیٹا تھا۔ لیکن کیا یہ اس کے لیے کوئی نئی بات تھی دوسروں نے بھی تو اسے آخر ضرور پیٹا ہوگا۔ اور کیا میں اب اُسے پیٹنے سے باز آجاؤں گا ———

اس طرح ایک لمحہ کے لیے اُسے اپنے بیٹے کا خیال آجاتا۔ اور دوسرے لمحہ ہی سر کوزکا کا۔ لیکن زیادہ دیر وہ مالوا کے بارے ہی میں سوچتا رہا۔ اس کی تشویش ایک گھناؤنے شبہ میں بدل گئی۔ لیکن کئی بار اس نے اس خیال کو اپنے دل سے دور رکھنے کی کوشش کی اور اس طرح اس شبہ کو خود اپنے آپ سے چھپاتے ہوئے وہ شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔ کبھی

لیٹے لیٹے اور کبھی اُٹھ کر دیدے پھاڑ پھاڑ کر سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے حتیٰ کہ سمندر نے تاریکی کی چادر اوڑھ لی۔ لیکن وہ کشتی کی آمد کا انتظار کرتا رہا اور مالوا اُس دن نہیں آئی۔

جھونپڑی میں آکر بھی وہ بلی رہ رہ کر اپنی تقدیر کو ستاتا رہا جس نے اُسے جزیرہ پر جانے سے روکے رکھا تھا۔ اونگھتے ہوئے اس نے محسوس کیا جیسے کوئی دُور سمندر میں چیخ چلا رہا ہو، وہ اُچھلا اور جھونپڑی سے باہر آگیا۔ اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر تاریک سمندر کی طرف گھورنے لگا ساحل پر مچھلی گھروں میں دو جگہ آگ سلگ رہی تھی۔ لیکن سمندر بالکل ویران پڑا تھا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ذلیل جادوگرنی" وہ بڑبڑایا۔ اور پھر جھونپڑی میں آگیا۔ اور ساحل کی نرم نرم ریت پر لیٹ کر جلد ہی گہری نیند میں کھو گیا مگر اس رات مچھلیاں پکڑنے والے مقام پر کیا ہوا۔

یعقوب صبح جلد ہی بیدار ہو گیا۔ سورج کی شعاعیں ابھی گرم نہیں ہوئی تھیں اور سمندر سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ وہ سمندر کی طرف نہانے چلا گیا اور اس نے وہاں ساحل پر مالوا کو دیکھا ۔۔۔ وہ ایک مچھلی پکڑنے والی کشتی کے پچھلے حصہ پر بیٹھی ہوئی تھی جو ساحل کی طرف مڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے لمبے لمبے گیلے بالوں میں کنگھا کر رہی تھی اور اس کے ننگے اور خوبصورت پاؤں کشتی کی دوسری جانب لٹک رہے تھے یعقوب اُسے گھورنے لگا

مالوہ کا سونی بلاؤز چھاتی پر آکر کھل گیا تھا اور کندھے سے پھسل گیا تھا اور وہ سفید سا بازو بہت حسین نظر آرہا تھا —— لہروں کے ٹکرانے سے کشتی اچھل کر اوپر چلی جاتی۔ اور جب نیچے آتی تو مالوا کے ننگے پاؤں لہروں کو چھونے لگتے۔

"کیا تم نہا چکیں" یعقوب نے تقریباً چیخ کر اس سے پوچھا۔

اور مالوا نے مڑکر یعقوب کو گہری اور تیز نظروں سے دیکھا۔ اور انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اس نے جواب دیا "ہاں — تم آج اتنی جلدی کیوں بیدار ہو گئے ؟"

"مگر تم مجھ سے بھی پہلے بیدار ہو گئی ہو"

"کیا تم نے میرے نقشِ قدم پر چلنے کا ارادہ کر لیا ہے"

—— یعقوب سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ خاموش رہا۔

"اگر تم نے میرے اصولوں کو اپنا لیا تو مارے جاؤ گے"

"تم بہت خطرناک ہو۔ یعقوب نے ہنستے ہوئے کہا اور نہانے کے لیے پانی میں اتر گیا۔ پھر اپنی قمیص سے ہاتھ اور منہ صاف کرتے ہوئے اس نے اچانک مالوا سے سوال کیا "تم مجھے ہمیشہ ڈرانے کی کوشش کیوں کرتی رہتی ہو ؟"

"اور تم مجھے گھورتے کیوں رہتے ہو" مالوا نے جواب دیا۔

"تم اتنی خوبصورت ہو کہ مجھے اپنی نگاہوں پر اعتبار نہیں رہتا"۔

وہ جلدی سے بولی" — اور اگر تمہارے باپ نے یہ سن لیا تو وہ تمہیں جان سے مار ڈالے گا"۔

وہ ایک دم ہنس پڑا۔ اور کشتی میں آ کر بیٹھ گیا۔ مگر فوراً ہی اسے مالوا کی بات پر دھیان دینا پڑا۔ کچھ دیر تک اس کے جاذبِ نظر چہرے کو دیکھنے اور سوچنے کے بعد وہ بولا" میرے باپ کے متعلق تم نے کیا کہا — کیا اس نے تمہیں خرید لیا ہے۔ یا کوئی اور بات ہے؟" اور کشتی میں مالوا کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ ایک بار پھر مالوا کے ننگے اور سفید بازو پر پڑی اور وہاں سے پھسل کر اس کی نیم عریاں چھاتیوں پر — اور پھر اس نے اس کے تمام جسم کا جائزہ لیا کتنا صحت مند اور خوبصورت جسم تھا اس کا۔

"کیا تم خوبصورتی کی ایک مکمل تصویر نہیں ہو!" اس نے مالوا کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمہارے لیے نہیں" مالوا نے بغیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرد مہری سے جواب دیا اور یہ کہنے کے بعد بھی اس نے اپنے بلاؤز کو ٹھیک کرنے کی زحمت نہ کی۔

یعقوب نے ایک لمبی سرد آہ بھری۔

صبح کے سورج کی کرنیں سمندر پر پڑ رہی تھیں اور ان کے سامنے

سمندر اس وقت ناقابل بیان دلکش منظر پیدا کر رہا تھا۔ ہلکی ہلکی شوخ لہریں بکھر بکھر ساحل سے ٹکرا رہی تھیں اور سمندر سے بہت دُور کسی پہاڑ کا کوئی حصّہ بہت دُھندلا دکھائی دے رہا تھا۔

مالوا نے یعقوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا "ہاں — میں خوبصورت اور دلکش ہو سکتی ہوں۔ مگر میں تمہارے لیے نہیں ہوں۔ مجھے کسی نے نہیں خریدا ہے — اور نہ ہی مجھ پر تمہارے باپ کا کسی قسم کا دباؤ ہے۔ میں اس کو کبھی زیادہ منہ نہیں لگاؤں گی۔ اور اپنی مرضی کی زندگی بسر کروں گی۔ اور تم بھی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ میں تمہارے اور وسلی کے درمیان دیوار نہیں بننا چاہتی — میں نہیں چاہتی کہ تم دونوں میں میری وجہ سے کوئی جھگڑا ہو۔ کیا تم میری باتوں کو سمجھ رہے ہو یا نہیں۔"

"مگر یہ باتیں تم مجھ سے کیوں کہہ رہی ہو؟" یعقوب نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میں نے تو تم کو کبھی چھُو تک بھی نہیں — کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"تم میں مجھے چھونے کی ہمت بھی نہیں ہو سکتی" یہ جملہ کہتے وقت مالوا کی آواز میں کچھ اس قسم کی حقارت تھی کہ یعقوب کے اندر چھپے ہوئے مرد اور انسان نے اپنی بے عزتی محسوس کی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اوہ میں جرات کبھی نہیں کر سکتا۔ بہت خوب، اس نے اس کے اور قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم نہیں کر سکتے۔

"لیکن فرض کرو میں یہ ہمت کر لیتا ہوں تو ــــ"

"کوشش کر دیکھو"

"تو کیا ہوگا؟"

"میں تمہاری گردن پر زور سے ایک گھونسہ ماروں گی اور وہ اسی لمحہ تم پانی میں ہوگے۔

"اچھا مارو ــــ اگر تم اتنی بہادر ہو تو ــــ"

"پہلے مجھے چھونے کی جرأت تو کرو تم"

یعقوب نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں مالوا پر گاڑ دیں اور پھر ایک دم اس نے مالوا کی کمر کو اپنے طاقتور بازوؤں کی لپیٹ میں لے لیا اور اسکی پیٹھ اور چھاتیوں کو زور زور سے بھینچنا شروع کر دیا۔ مالوا کے گرم اور صحتمند جسم کے لمس نے اس کے جسم میں آگ لگا دی اور اسے اپنا حلق بری طرح سوکھتا ہوا محسوس ہوا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے اب ــــ ہاں ہاں مجھے چھوڑو۔ تم نے کہا تھا کہ میں نہیں چھوڑوں گی، یعقوب نے شدتِ جذبات سے کپکپاتی ہوئی آواز

ہنس کہا۔

"مجھے جانے دو یعقوب" ، مالو نے کہا جو خاموشی سے اپنے آپ کو یعقوب کے توانا مگر کانپتے ہوئے بازوؤں کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم میری گردن پر گھونسہ مارو گی۔ کیا تم نے نہیں کہا تھا؟"

"مجھے جانے دو یعقوب۔ تم اپنی اس جرأت پر پچھتاؤ گے۔

"مجھے خوف زدہ مت کرو آہ! تم کس قدر حسین ہو؟ ——"

یعقوب نے اپنی گرفت اور بھی سخت کر لی اور اپنے نیلے نیلے ہونٹ اس کے گلابی گالوں سے مس کرنے لگا۔

مالو نے ایک شوخ قہقہہ لگایا اور یعقوب کے بازوؤں کو زور سے جھٹکا دیتے ہوئے اپنے جسم کو آگے کی طرف ڈھکیل دیا۔ اور اب دونوں بری طرح ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے ننھی کشتی ڈگمگائی اور دونوں گہرے پانی میں لڑھک گئے پانی میں ایک گونج سی پیدا ہوئی اور تھوڑی دیر بعد سطح پر جھاگ سی نمودار ہوئی۔ اور دونوں جھاگ کے بھنور میں اوجھل ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد یعقوب کا خوف زدہ چہرہ سطح پر ابھرا —— ساتھ ہی مالو ابھری۔ اپنے بازوؤں سے پانی کو تیزی سے چیرتے ہوئے یعقوب مالو کو پکارتا ہوا۔ اور مالو ہنستے ہوئے اس کے ارد گرد تیرنے لگی اور یعقوب

کے چہرے اور آنکھوں پر سمندر کا کھاری پانی پھینکنے لگی۔ تاکہ یعقوف اُسے اپنے
بازوؤں کی لپیٹ میں نہ لے سکے۔

"شیطان کی بچی" یعقوف گرجا۔ پانی اس کی ناک اور منہ سے بہہ رہا تھا۔

"میں ڈوب جاؤں گا۔ بخدا میں ڈوب جاؤں گا ـــ آہ پانی بہت کڑوا ہے
ـــــ میں ڈوب ـــ"

لیکن مالو اس سے بالکل غافل ہو کر کسی مرد کی طرح تیرتی ہوئی کنارے
کی جا رہی تھی۔ کنارے پر پہنچ کر وہ کشتی پر سوار ہو گئی اور جب اس نے یعقوف کو
اپنی طرف پہنچنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس
کے گیلے کپڑے اس کے بدن کے ساتھ چپٹے ہوئے تھے اور ان گیلے کپڑوں
میں اس کے جسم کا ایک ایک عضو نمایاں ہو رہا تھا۔

اور یعقوف نے آخر کار کشتی کو پکڑ ہی لیا اور کشتی پر چڑھتے ہوئے
وہ اس ننگی عورت کو بھوکی نظروں سے دیکھنے لگا جو اس پر بُری طرح ہنس
رہی تھی ـــ

"یعقوف آجاؤ۔ پانی سے نکلو" مالو نے اپنے گھٹنوں پر جھک کر اپنا
ایک ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اب سنبھل جاؤ۔ میں تمہیں ایک غوطہ لگواؤں گا" اور یہ کہتے کہتے
اس نے مالو کو نیچے کھینچ لیا لہریں اس کے سر سے ٹکرائیں اور پھر چہرے پر

پھیل گئیں۔

تالوا نے غوطہ لگایا اور ہنسنے لگی۔ اور پھر اس نے یعقوب کو اپنی طرف کھینچ کر اس کا ہاتھ "کشتی" سے چھڑا دیا اور ایک دفعہ پھر وہ نیلے پانی میں دو آبی پرندوں کی طرح کھیلنے لگے۔ سورج بھی انہیں کھیلتے ہوئے دیکھ کر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ ان کے طاقتور ہاتھوں کے تھپیڑوں سے پانی بھی اچھل رہا تھا۔ آبی پرندے ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھ کر ان کے اوپر دائرہ سا بنا کر اڑتے ہوئے چیخ رہے تھے اور یہ دونوں کبھی لہروں میں چھپ جاتے اور کبھی نمودار ہوتے۔

کافی دیر تک پانی میں رہنے کے بعد وہ اب باہر نکل آئے اور دھوپ میں آ کر بیٹھ گئے۔

"کتنا گندہ مواد ہے اس پانی میں" یعقوب نے تھوکتے ہوئے کہا

"دنیا میں ہر قسم کا گندہ مواد ہے۔ مثلاً یہی نوجوان چھوکرے"

اپنے بالوں سے پانی نچوڑتے ہوئے قہقہہ لگا کر تالوا نے جواب دیا۔ اس کے بال سیاہ اور گھنگریالے تھے۔

"واقعی یہ مقام حیرت نہیں کہ بوڑھا وسلی تمہاری محبت میں گرفتار ہے" یعقوب نے تالوا کو کہنی مارتے ہوئے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔"

"کبھی کبھی بوڑھے آدمی نوجوانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں" مالیا بولی۔

"لیکن اگر باپ اچھا ثابت ہو سکتا ہے تو بیٹا اُس سے بہتر ثابت ہوگا۔"

مالیا نے کہا "ایسا ہو سکتا ہے بھلا؟ —— تم نے اس کی شیخیاں بگھارنی کہاں سے سیکھی ہیں؟"

"میرے گاؤں کی اکثر لڑکیوں نے میرے بارے میں کہا ہے کہ میں بد صورت نہیں ہوں"

"لڑکیاں کیا جانتی ہیں۔ تم مجھ سے پوچھو"

"کیا تم لڑکی نہیں ہو؟"

مالیا نے اُسے گھورتے ہوئے ایک قہقہہ لگایا اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولی "کسی زمانے میں میرا ایک بچہ تھا"

"ہوں پُرانا چیتھڑا ——" یعقوب نے ہنستے ہوئے کہا ——

"احمقانہ باتیں نہ بناؤ" مالیا نے اس کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے سختی سے کہا۔

یعقوب خاموش رہا۔ مالیا سے وہ مرعوب ہو گیا تھا۔ دونوں تقریباً آدھ گھنٹے تک دھوپ میں کپڑے سکھاتے رہے۔ ساحل کے قریب رہنے والے تقریباً بھی ماہی گیر جاگ اُٹھے تھے اور ان کی بھدی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ ان میں سے کچھ خالی برتنوں کے تلے پُر زور زور سے تھاپ

دے رہے تھے۔ اور یہ آوازیں یوں محسوس ہو رہی تھیں جیسے ڈھول بج رہے ہوں دو عورتوں کے لڑنے کی پرشور آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ان کے پاس ہی ایک کتا زور زور سے بھونک رہا تھا۔

"یہ لوگ بیدار ہو چکے ہیں —— میں آج شہر بہت سویرے جانا چاہتا تھا لیکن یہاں تمہاری ادھر ادھر کی باتوں میں لگ گیا" یعقوب نے کہا۔

"میں نے تو تمہیں کہا ہی تھا کہ اگر تم میرے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرو گے۔ تو تمہیں پچھتانا ہو گا" مالو امتراجیہ انداز میں نیم سنجیدگی سے بولی۔"

"تم مجھے ڈراتی کیوں رہتی ہو؟" یعقوب نے زیر لب مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے لفظوں کو نوٹ کر لو۔ جونہی تمہارا باپ سنے گا کہ ——"

یعقوب اپنے باپ کے ذکر سے برافروختہ ہو گیا

"میرے باپ کے متعلق تم کیا کہہ رہی ہو" اس نے غصے سے پوچھا "فرض کرو اسے ہماری ملاقات کا حال معلوم بھی ہو جاتا ہے تو کیا۔ میں اب بچہ نہیں ہوں۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ وہ میرا حاکم ہے۔ مگر یہاں اس کی حکومت نہیں چل سکتی ہم اس وقت اپنے گھر میں نہیں ہیں۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ میں سمجھ گیا جانتا ہوں کہ وہ کوئی مہاتما تو نہیں ہے جب وہ جیسا چاہتا ہو کرتا ہے

لہٰذا میرے کام میں بھی مداخلت کا اُسے کوئی حق نہیں ہے"

مالوا نے حیرت سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر اس سے پوچھنے لگی" تمہارے کام میں کوئی مداخلت نہ کرے کیوں ؟ — آخر تم کرنا چاہتے ہو ؟"

" میں یعقوب نے اپنے گال پھلاتے ہوئے اور چھاتی کو چوڑا کرتے ہوئے جواب دیا" میں کیا کرنا چاہتا ہوں — میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ یہاں کی تازہ ہوا نے میرے جسم سے گاؤں کی تمام گرد صاف کر دی ہے ۔"

" جلدی بتاؤ کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو ؟" مالوا نے اپنا سوال پھر دہرا دیا

" ابھی بتاتا ہوں — میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنے باپ کے مقابلہ میں جیت لوں گا "

" تم بکتے ہو ۔"

" تو تم سمجھتی ہو ۔ میں ڈرتا ہوں ۔"

" نہیں " مالوا نے سانس کو لمبا کرتے ہوئے کہا :

" دیکھو مجھے تنگ نہ کرو " یعقوب نے صبری سے کہا " نہیں تو — میں —"

" تم کیا —" مالوا نے لاپروائی سے کہا ۔

"کچھ نہیں" وہ منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا اور پھر کچھ نہ بولا مگر اس کے چہرہ سے بہادری اور خوداعتمادی کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔

"یہاں جو ایجنٹ ہے نا اس کے پاس ایک کالا کتا ہے۔ کیا تم نے اسے کبھی دیکھا ہے؟ وہ بالکل تمہاری طرح ہے جب کوئی ذرا فاصلے پر ہوتا ہے تو وہ زور زور سے بھونکتا ہے اور اسے اس انداز سے ڈرانے کی کوشش کرتا ہے جیسے سچ مچ اُسے کاٹ کھائے گا مگر جو کوئی اس کے قریب آتا ہے وہ دم دبا کر بھاگ اُٹھتا ہے" مالوا نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ آنے والے وقت کا انتظار کرو۔ وہ تمہیں خود بتادے گا کہ میں کیا ہوں" یعقوب نے غصّے سے بھرے ہوئے لہجہ میں کہا مگر مالوا پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ ہنس پڑی۔

اُسی وقت ایک لمبا دُبلا سا آدمی لاپرواہی سے چلتا ہوا اُن کے پاس رُکا۔ اس نے سُرخ رنگ کی بھدّی سی قمیص پہن رکھی تھی اور اس کی پتلون پر جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر بے شمار جھرّیاں تھیں اور وہ ننگے پاؤں تھا۔ اس نے ایک لمحہ کے لیے ان دونوں کو گھورا اور پھر کہنے لگا "کل سرپوز کانے دو ایک دفعہ شراب پی اور آج اس کی جیب بالکل خالی ہے ــــ مجھے بیس روپے اُدھار دو اور اس بات کا یقین رکھو کہ یہ روپے تمہیں واپس نہیں ملیں گے"

یعقوب اس گستاخانہ مطالبے پر خوب ہنسا اور تالو بھی اس بھدے انسان کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"مجھے بیس روپے دو۔ اور میں تم دونوں کی شادی کیے دیتا ہوں۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے؟"

"کیا تم پادری ہو؟" یعقوب نے استفسار کیا۔

"بیوقوف! میں نے اگاتک میں پادری کے طور پر کام کیا ہے"

"مگر میں تو شادی نہیں کرنا چاہتا"، یعقوب نے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم مجھے بیس روپے دو۔ میں تمہارے باپ کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ تم اس کی محبوبہ کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے تھے"

"اگر تم بتا بھی دو۔ تو وہ یقین نہیں کرے گا"

"وہ ضرور یقین کرے گا۔ اور کیا پھر وہ تمہیں سزا نہیں دے گا"

"میں اس سے نہیں ڈرتا"، یعقوب نے جواب دیا۔

"اس صورت میں خود تمہیں سزا دوں گا"، سربوزکا نے آہستگی سے اپنی نظریں اٹھاتے ہوئے، آنکھیں اوپر کو سکیڑتے ہوئے کہا۔

یعقوب خاموش رہا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈال کر کچھ روپے نکال لیے۔ کیونکہ سربوزکا سے جھگڑنا نہیں چاہتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بلاوجہ اسے ایک دو تھپڑ مار دے گا۔

"بہت خوب" سرَیوزکا نے ان کے قریب ہی ربت پر لیٹتے ہوئے کہا "جو کچھ میں کہوں وہ دھیان سے سُنا کرو۔ اس طرح تم جلد ہی ایک عقلمند آدمی بن جاؤ گے اور تم ــــــ" اس نے مالوا کی طرف مڑتے ہوئے کہا "کیا تم عنقریب میرے ساتھ شادی کر رہی ہو یا نہیں۔ جلد ہی کوئی فیصلہ کر لو کیونکہ میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا"

"تم پہلے اپنے کپڑے کے سوراخوں کو سی لو۔ پھر ہم اس مسئلہ پر بات چیت کریں گے" مالوا نے جواب دیا۔

سرَیوزکا نے اپنی پتلون پر ایک تنقیدی نظر دوڑائی۔ سر کو ایک خفیف سا جھٹکا دیا اور بولا۔

"اگر تم کچھ اپنے کپڑے مجھے دے دو۔ تو میری حالت بہتر ہو سکتی ہے"

"کیا کہا" مالوا نے جلدی سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے تمہارے پاس کچھ پرانے کپڑے تو ہوں گے"

"تم خود کچھ پتلونیں کیوں نہیں خرید لیتے" مالوا نے ناصحانہ انداز میں کہا "نہیں اگر میرے پاس روپیہ ہوا تو میں کچھ شراب خریدوں گا۔

"تم ایسا ہی کرنا" یعقوب نے اپنے ہاتھوں میں روپے کھنکھناتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ ایک پادری نے بتایا تھا کہ انسان کو اپنے جسم کا

نہیں بلکہ اپنی روح کی فکر کرنی چاہئے میری روح پتلون نہیں شراب مانگتی ہے۔ مجھے روپے دو۔ میں ابھی جا کر کچھ شراب پیوں گا اور پھر تمہارے باپ سے تمہارے متعلق سب کچھ کہہ دوں گا۔"

"ہاں ہاں کہہ دینا" یہ کہتے ہوئے یعقوف نے مالوا کے کندھے پر اپنا رکھ دیا۔

"میں تمہاری ان باتوں کو نہیں بھولوں گا اور جوں ہی مجھے کچھ فالتو وقت ملے گا میں تمہیں درست کر دوں گا۔"

"مگر کس بات پر"

"میں جانتا ہوں۔ کیوں؟ اور پھر مالوا سے اس نے وہی سوال کیا۔

"کیا تم میرے ساتھ شادی کرنے کے لیے آمادہ ہو کہ نہیں"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ شادی کرنے کے بعد ہم بسر اوقات کیونکر کریں گے اور پھر میں اس کے بارے میں سوچوں گی" مالوا نے ناراضی سے جواب دیا۔

سرگیوز کا نے سمندر کی طرف دیکھا اور پھر اپنے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا" ہم کچھ نہیں کریں گے صرف عیش کریں گے۔ اور ہمارا وقت بہت اچھی طرح گزرے گا۔

"مگر ہمارا ذریعہ معاش کیا ہو گا۔ ہمارے پاس روپیہ کہاں سے آئیگا؟"

"تم میری بوڑھی ماں کی طرح بحث کرتی ہو۔ کیا؟ کہاں؟ اور کیسے؟ یہ میں کیوں کر جان سکتا ہوں ——— میں جا رہا ہوں۔ اور جا کر شراب پیوں گا"

وہ اٹھا اور چلا گیا۔ مالوا نے جب اسے جاتے ہوئے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔

"چالاک ——— فریبی" یعقوب نے سریوزکا کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد کہنا شروع کیا۔

"یہ ہمارے گاؤں میں ہوتا تو لوگ اسے سیدھا کر دیتے اور اسکی تمام مکاریاں بھول جاتیں۔ مگر یہاں لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔"

"تم اس کی وقعت نہیں جانتے" مالوا نے دانت بھینچ کر بڑبڑاتے ہوئے کہا ———"

اس کی وقعت ہے ہی کیا، صرف پانچ روپے؟"

"اس نے تمام ملک کی سیر کی ہے، چپہ چپہ چھان مارا ہے اور وہ کسی سے نہیں ڈرتا"

"تو میں کس سے ڈرتا ہوں" یعقوب نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا مالوا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ لہروں کو دیکھنے لگی جو اچھل اچھل کر کشتی سے ٹکرا رہی تھیں جب وہ اپنا حلقہ توڑ کر گہرے سمندر

بتیز نا چاہتی ہوں۔

"ہاں تو تم گئے نہیں" مالوا نے سوال کیا۔

"کہاں یعقوب نے پوچھا۔

"تم نے کہا تھا نا کہ میں شہر جانا چاہتا ہوں"

"میں نہیں جاؤں گا"

تم اپنے باپ کے پاس کیوں نہیں جاتے"

"اور تم؟"

"میں" مالوا نے پوچھا۔

"کیا تم بھی چلو گی"

"نہیں" مالوا نے جواب دیا"

"تب میں بھی کہیں نہیں جاؤں گا"

"تو تم کیا سارا دن میرے سر پر سوار رہنا چاہتے ہو" مالوا نے سرد مہری سے پوچھا۔

"اوہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے" یعقوب یہ کہتے ہوئے ایک جھونپڑی کی طرف چل پڑا مگر یہ اس نے غلط کہا تھا کہ اسے مالوا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس کے بغیر کسی چیز میں دلچسپی نہیں لے سکتا تھا جس دن سے اس نے مالوا کے ساتھ گفتگو کی تھی اس دن سے اس کے دماغ میں آ:

باپ کے خلاف خیالات پیدا ہونے لگ گئے تھے۔ مگر ماکو اسے ملنے سے پہلے اس نے کبھی ایسا نہ سوچا تھا۔ اب اپنے باپ کو وہ ایک مصیبت سمجھنے لگا تھا اس کا خیال تھا کہ ماکو اس کے باپ سے ڈرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حالات مختلف ہوتے۔

وہ ماہی گیروں کو گھورتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ وہاں اس نے سرپوز کو بھی دیکھا۔ جو ایک درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا کوئی بے معنی سا گیت گنگنا رہا تھا۔

اسے کافی لوگ گھیرے ہوئے تھے۔ اس کے ارد گرد کچھ غلیظ عورتیں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

یعقوف بلا مقصد ادھر اُدھر گھومنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی چیز اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ کئی گھنٹے اس طرح گھومنے کے بعد اس نے ماکو کو ماہی گیروں کی بستی سے دُور ایک پودے کے پاس لیٹے ہوئے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی بوسیدہ سی کتاب تھی اور جب اس نے یعقوف کو اپنے پاس دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"کیا تم اتنی دیر سے مجھے ڈھونڈ رہے تھے" مالیا نے ایسے لہجے میں پوچھا جیسے اُسے یقین تھا کہ وہ اب تک اُسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔

"میں نہیں بالکل نہیں ڈھونڈ رہا تھا" یعقوف نے جواب دیا۔

" تم پڑھنا جانتے ہو" مالوا نے پوچھا۔

" ہاں ___ مگر اچھی طرح نہیں۔ میں بھول چکا ہوں ___"

" بہت اچھی طرح تو میں بھی نہیں پڑھ سکتی ___ تم اسکول میں جاتے تھے کیا ؟"

" ہاں اپنے گاؤں کے اسکول میں"

" مگر میں نے پڑھنا خود بخود سیکھا ہے۔ میں کسی اسکول میں نہیں گئی"

" وہ کیسے ؟"

" میں استراخان میں ایک وکیل کے یہاں ملازم تھی۔ اس کے بیٹے نے مجھے پڑھنا سکھایا"

" پھر تو تم نے خود بخود نہیں سیکھا" یعقوب نے کہا۔

مالوا نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا اور پوچھا" کچھ کتابیں چاہئیں تمھیں پڑھنے کو"

" مجھے ___ نہیں تو۔ میں کیا کروں گا"

" مجھے مطالعہ سے محبت ہے ___ یہ کتاب میں آج ایجنٹ کی بیوی سے مانگ کر لائی ہوں۔ اور دیکھو میں اسے پڑھ بھی رہی ہوں"

" اس کا موضوع کیا ہے ؟" یعقوب نے دریافت کیا۔

" سٹیفن النکسی کے متعلق ہے" اور پھر مالوا یعقوب کو بتانے لگی کہ ایک

متمول خاندان کا لڑکا کبوتر تمام لوازمات عیش کو چھوڑ کر گھر سے بھاگ نکلا اور پھر جب بہت دنوں کے بعد واپس لوٹا تو اس نے چیتھڑے پہنے ہوتے تھے اس کی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی تھی ۔ اس نے اپنے والدین کے گھر کے صحن میں گھر کے کتوں کے ساتھ رہنا شروع کر دیا ۔ اور زندگی کے آخری لمحہ تک اس نے کسی کو نہیں بتایا کہ وہ کون ہے ؟ — اور جب مالو کہانی سنا چکی تو اس نے یعقوب سے پوچھا ۔

"کیا تم بتا سکتے ہو اس نے ایسا کیوں کیا ؟"

مجھے کیا معلوم ؟" یعقوب نے قطعی لاپروائی سے کہا ۔

لہریں اب قدرے آہستہ آہستہ ساحل سے ٹکرا رہی تھیں ۔ سورج اپنی آخری کرنیں ریت پر پھینک رہا تھا جن کی وجہ سے ریت کافی خوبصورت نظر آ رہی تھی ۔ ساحل پر اس وقت مکمل خاموشی طاری تھی ۔ کبھی کبھی کسی پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز ضرور آتی تھی مالو اس طرح خاموش تھی جیسے کسی مدھم آواز کو بڑے انہماک سے سن رہی ہو ۔

دفعتاً یعقوب نے ایک طرف کو اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔ "تم آج وہاں کیوں نہیں گئیں ۔

"نہیں اس سے کیا ؟"

یعقوب کچھ سوچنے لگا اور یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ اپنے دلی مدعا کا اظہار

سکے لیے کون سے الفاظ استعمال کرے۔

مالوا نے پھر کہا "جب میں تنہا ہوتی ہوں اور ماحول خاموش ہو جاتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں کوئی گانا گاؤں۔ یا روتی رہوں لیکن مجھے گانے بہت کم یاد ہیں اور روتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

مالوا کے اس پیارے اندازِ بیان نے یعقوب پر کوئی اثر نہ کیا۔ البتہ اس کی یہ خواہش اور زور پکڑ گئی کہ وہ کسی طرح اپنا مدعا ظاہر کرے۔

" میری بات سنو" مالوا کے قریب بیٹھتے ہوئے یعقوب نے اس سے کہا "جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سنو — دیکھو میں جوان ہوں۔"

" اور بہت زیادہ بے وقوف بھی" مالوا نے اس کی بات کاٹتے ہوئی کہا۔

" اچھا میں نے مان لیا کہ میں بے وقوف ہوں — ہاں ہاں تم بھی کہو کہ میں بیوقوف ہوں۔ مگر جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ بھی تو سنو۔ کیا تم مجھے پیار —"

" نہیں مطلق نہیں "

" کیا کہا " یعقوب نے پوچھا۔

" کچھ نہیں " مالوا نے جواب دیا۔

" بیوقوف نہ بنو — سمجھنے کی کوشش کرو —" یعقوب نے مالوا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے مردود!" مالوا نے اپنے ہاتھوں سے اسے جھٹکتے ہوئے کہا "چلے جاؤ یہاں سے"

وہ اٹھا اور اپنے سامنے نظر دوڑاتا ہوا بولا "اچھا! اگر ایسا ہی ہے تو میں بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ یہاں تم ایسی کئی پھرتی ہیں۔ کیا تم سمجھتی ہو تم اُن سے اچھی ہو"

"ذلیل ــ کتا" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں پہلو بہ پہلو چلنے لگے چونکہ ان کے پیر ریت میں دھنس رہے تھے اس لیے انہیں بہت آہستہ آہستہ چلنا پڑ رہا تھا جب وہ جھونپڑیوں کے قریب پہنچے تو یعقوف ایک دم رک گیا اور مالوا کے کندھوں کو جھنجھوڑتے ہوئے دانت پیستے ہوئے اس نے کہا "یقیناً تم مجھے تنگ کر رہی تھیں۔ مجھے مشتعل کرنا چاہتی تھیں ــ کیوں، کیا ایسا نہیں ہے؟ ــ تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟ اپنا ارادہ بدل دو ورنہ تمہیں اس کے لیے پچھتانا پڑے گا"

"میں کہتی ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو ــ" اور اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑا کر وہ آگے چلنے لگی۔

جھونپڑیوں میں سے سریوز کا نمودار ہوا۔ اس نے ان دونوں کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے مالوا سے کہنے لگا "اوہ سیر و تفریح ہو رہی تھی ــ ٹھیک ہے نا؟"

"جہنم میں جاؤ۔ تم سب کے سب" ماکوا نے غصے سے کہا۔

بعفوت سرآبوز کا کے بالکل سامنے آکر رک گیا اور اسے گھورنے لگا۔ ان دونوں میں زیادہ سے زیادہ دس قدم کا فاصلہ تھا چند لمحوں تک دونوں دو مینڈھوں کی طرح ایک دوسرے کو کھڑے گھورتے رہے اور پھر اپنی اپنی سمت چلے گئے۔

سمندر خاموش تھا لیکن غروب آفتاب کی رنگا رنگ حسین روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ ماہی گیروں کے گھروں سے عجیب عجیب قسم کی صدائیں آ رہی تھیں اور کوئی شرابی عورت لہروں کے سنگیت پر کوئی بھدا سا گیت گا رہی تھی۔

سمندر، صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں دور فاصلے پر اونگھتا ہوا معلوم ہو رہا تھا اور دھندلے بادلوں کا عکس سطح پر تھرتھرا رہا تھا۔ اِدھر ساحل پر کچھ ماہی گیر بھاری بھاری سامان کشتیوں پر لاد رہے تھے۔ سریوز کا حسبِ معمول ننگے سر اور ننگے پاؤں کشتی میں کھڑا ہوا ماہی گیروں کو تیزی سے کام کرنے کی تاکید کر رہا تھا۔ جب ذرا تیز ہوا چلتی تو اس کے ہلکے سرخ اور اُلجھے ہوئے بال اُڑنے لگتے۔

"سز چیچو کہاں ہیں وسلی؟" کوئی چلّایا۔

وسلی کے پاس ہی سریوز کا کھڑا تھا۔ اُس نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس شراب ہے؟"

"ہاں" وسلی نے جواب دیا۔

"تو پھر میں کہیں نہیں جاؤں گا ــــ یہیں ٹھہروں گا" ــــ سرآبوز کا بولا۔

"تیار ہو جاؤ" کوئی چلّایا۔

"سرآبوز کا کشتی سے باہر کود ا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیتے ہوئے بولا "تم جاؤ ــــ میں یہیں ٹھہروں گا ــــ جال خوب پھیلا کے پھینکنا کہیں اُلجھ نہ جائے اس کا خیال رکھنا"

کشتی کو پانی میں ڈھکیل دیا گیا۔ ماہی گیر کشتی پر چڑھ گئے اور انھوں نے ہاتھوں میں چپو پکڑ لیے اور کھینے کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔

"ایک"

اور تمام چپو ایک ساتھ پانی سے ٹکرائے۔

"دو"

کسی نے حکم دینے کے انداز میں چلّا کر کہا اور چپو تیزی سے چلنے لگے۔

"ایک ــــ دو" ایک۔ دو" کے ساتھ کشتی چلتی رہی۔

ساحل پر پانچ آدمی رہ گئے تھے۔ سرآبوز کا۔ وسلی۔ اور تین اور، اُن میں سے ایک بولا" میں ابھی تھوڑی دیر اور سوؤں گا" اور وسلی ریت پر لیٹ گیا۔ دو اور آدمیوں نے اس کی تقلید کی اور وہ چیتھڑے اوڑھ کر

سونے کی تیاری کرنے لگے۔

"تم اتوار کو کیوں نہیں آئے" وتلی نے تمریوزکا سے پوچھا۔

"میں آ نہیں سکا۔"

"کیا تم نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی؟"

"نہیں۔ میں تمہارے بیٹے اور اس کی سوتیلی ماں کی نگرانی کر رہا تھا"

"تم نے اپنے لیے کافی عمدہ نوکری تلاش کی ہے" وتلی نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا "کیا وہ دونوں بچے ہیں؟"

"بچوں سے بھی بدتر۔ ایک بے وقوف ہے —— اور دوسرا —— سادھو۔"

"کیا کہا —— مالوا اور سادھو؟ —— کیا وہ کسی زمانے میں تھی"

"اس کی روح اس کے جسم کی نسبت بہت پیاری ہے"

"اس کی رُوح گناہ آلود ہے" وتلی نے کہا۔

تمریوزکا نے سرسری طور پر اسے دیکھا اور کہا "گناہ آلود! چہ خوب —— تم میں کسی کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ تم اس کے چال چلن کے معترف ہی نہیں ہو۔ —— جانتے ہو بغیر اچھے چال چلن کے ایک عورت بالکل ایک بغیر نمک کی روٹی کی طرح ہے۔"

"کن فضول باتوں میں پڑ گئے ہو؟"

وسلی دراصل اس سے یہ پوچھنے کے لیے بے تاب تھا کہ اس نے یعقوب اور مالوا کو کہاں اور کس حالت میں دیکھا تھا۔ مگر شرم دامن گیر تھی۔ وہ اُسے اپنی جھونپڑی میں لے گیا۔ وہاں جا کر اس نے اس کے لیے ایک پیگ بھرا۔ وہ جانتا تھا کہ اتنی ہی مقدار سے سریوز کا کو اپنی زبان پر قابو نہیں رہے گا اور وہ سب کچھ خود بخود بتا دے گا۔

مگر سریوز کا ایک ہی گھونٹ میں گلاس پی جانے کے باوجود ہوش میں تھا۔ وہ چوکھٹ پر بیٹھ گیا اور بولا "اس طرح غٹاغٹ شراب پی لینا دہکتی ہوئی آگ نگلنا ہے"

" تو کیا تم اس طرح شراب نہیں پی سکتے" وسلی نے اس کی رفتار مے خواری پر حیران ہوتے ہوئے پوچھا ــــ

" میں پی سکتا ہوں بھائی! اور بہت جلد پی سکتا ہوں" اس نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

" میں جو کچھ بھی کرتا ہوں بہت جلد کرتا ہوں ــ بڑھے چلو ۔ یہی میرا آدرش ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں کہ تم کدھر جا رہے ہو ــ آخر ہم سب کو ایک ہی راستہ تو طے کرنا ہے ــ موت کا راستہ ــ اور ہم اس سے ادھر اُدھر نہیں جا سکتے"

" تم تو کاکیشیا کی طرف جانا چاہتے تھے۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟" وسلی

اب اپنے مقصد کی طرف آرہا تھا۔

"میں جب چاہوں گا چلا جاؤں گا۔ اور جب مجھے جانا ہوگا تو یوں۔

ایک۔ دو۔ تین" سربوزکا نے چٹکی بجاتے ہوئے اپنے اصول کو دہرایا۔

"تم اپنے دماغ سے بہت کم کام لیتے ہو" وسلی نے جھنجھلا کر کہا۔

سربوزکا نے طنز بھری نظروں سے وسلی کی طرف دیکھا اور بولا "کیا تم اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے ہو۔ دولوسٹ کے تھانے میں کتنی دفعہ جوتے کھا چکے ہو؟"

وسلی نے سربوزکا کی طرف دیکھا مگر خاموش رہا۔

"اور یہ اچھا ہے کہ پولیس جوتوں کے ذریعہ تمہیں عقل سکھائے۔

تم اپنے دماغ سے کیا سوچ سکتے ہو؟ یہ تمہیں کہاں لے جا سکتا ہے؟۔

لیکن میں دماغ سے کیا سوچ سکتے ہو؟ یہ تمہیں کہاں لے جا سکتا ہے؟

سوچتا اور تمہیں شرطیہ کہتا ہوں کہ تم سے کہیں آگے نکل جاتا ہوں" سربوزکا نے فخر سے کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔ تم زیادہ سے زیادہ سائبیریا چلے جاؤ گے" وسلی نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس بات پر سربوزکا بھی ہنسنے لگا۔

وسلی کی توقع کے خلاف سربوزکا پر دواؤں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

اور اسی بات پر وسلی کو غصہ آ رہا تھا۔ وہ اسے ایک پیگ اور پلا سکتا تھا۔ لیکن وہ داؤ کا کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ جب تک تربوز کا ہوش میں ہے وہ کچھ نہیں بکے گا۔

لیکن تربوز کا نے بہکے بغیر ہی اصل بات چھیڑ دی۔

"تم مالوا کے بارے میں کیوں نہیں پوچھ رہے" اس نے پوچھا۔

"میں کیوں پوچھوں" وسلی نے بے تعلقی کے لہجے میں جواب دیا۔

"گذشتہ اتوار بھی وہ یہاں نہیں آئی۔ تم کیوں نہیں پوچھ رہے کہ اتنے دنوں سے وہ کہاں ہے کیا تم اس سے حسد نہیں کرتے بوڑھے شیطان!" تربوز کا نے کہا۔

"اس جیسی تو کئی پھرتی ہیں" وسلی نے طنز کے ساتھ اپنے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس جیسی کئی ــ" تربوز کا نے وسلی کو چڑانے کے لیے دہرایا "ارے دیہاتی جانور تم تو شہد اور ناریل میں بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ مالوا کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہو؟"

"تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟ ــ کیا شادی کی دعوت کا پیغام لے کر آئے ہو ــ یہ دعوت تو بہت دیر پہلے مجھے مل چکی تھی" وسلی نے جواب دیا ــ"

سرّبوز کا کچھ دیر تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے بولا "میں جانتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ لیکن میں نے کوئی دخل نہیں دیا۔ کیونکہ مجھے دخل اندازی کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن اب یعقوب ـــ وہی تمہارا چھوکرا اس پر لٹو ہے۔ اسے سنبھال لو۔ ورنہ میں خود نپٹ لونگا۔ تم میری بات سُن رہے ہو نا؟ میں نے پہلے دخل نہیں دیا۔ لیکن اب یاد رکھو ـــ ہاں"

"تو یہ بات ہے ـــ اب میں سمجھا کہ تم خود بھی اس پر فریفتہ ہو۔ کیوں ٹھیک ہے نا" دسلی نے آہستگی سے کہا۔

"میں بھی ـــ اگر میں چاہتا تو اُسے فوراً اپنے قابو میں کر لیتا اور تم سب کو اپنے راستہ سے نکال پھینکتا لیکن میں جانتا ہوں کہ میں اس کے لیے سُود مند ثابت نہیں ہو سکتا"

تو پھر تمہیں دخل اندازی کی کیا ضرورت ہے؟" دسلی نے شک آمیز لہجہ میں پوچھا۔

اس سادے سے سوال نے سرّبوز کا کو حیرت میں ڈال دیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے دسلی کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے قہقہہ لگایا اور دسلی کی طرف گھورتے ہوئے جواب دیا "میں کیوں دخل اندازی کرتا ہوں؟ ـــ اس عورت میں کئی خوبیاں ہیں۔ وہ بہت ہی شوخ طبع ہے ـــ میں اُسے پسند

کرتا ہوں ـــــ اور شاید مجھے اس پر رحم بھی آتا ہے"

وسکی نے اس کی طرف غیر اعتمادانہ نظروں سے دیکھا حالانکہ اُسے یقین تھا کہ سربوزکا اپنے دل کی بات کہہ رہا ہے۔

" اگر وہ ایک کنواری اور عصمت مآب خاتون ہوتی تو تمہارا یہ جذبۂ ترحم میری سمجھ میں آ سکتا تھا لیکن اب تو تمہاری بات مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے" اس نے کہا۔

سربوزکا خاموش رہا اور مچھلیاں پکڑنے والی کشتی کو دیکھتا رہا جو کنارے کی طرف لوٹنے کے لیے بہت چوڑا دائرہ بنا رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ملائمت اور سادگی مترشح تھی،

وسکی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا "تم جو کچھ کہتے ہو سچ ہے۔ واقعی وہ ایک اچھی عورت ہے۔ ہاں قدرے آوارہ ہے ـــــ اور جہاں تک یعقوف کا تعلق ہے میں اس چھوکرے کو اچھی طرح ڈانٹوں گا"

" میں یعقوف سے نفرت کرتا ہوں" سربوزکا نے کہا۔

" اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ مالوا پر ڈورے ڈال رہا ہے" وسکی نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اور غصّے سے دباتے ہوئے دانتوں میں سے کہا۔

" وہ تمہارے اور مالوا کے درمیان ضرور حائل ہوگا۔ میری بات یاد رکھیے" سربوزکا نے پُر زور لہجہ میں کہا۔

صبح کی کرنیں تمام آسمان پر پھیل گئیں۔ لہروں کے ساتھ ایک خفیف سی آواز سمندر پر تیرتی ہوئی کشتی سے اس کے کانوں تک پہنچی۔

"اوہو — مچھلی کو اندر کھینچو"

"شاباش اٹھو — اور جال سنبھالو" سربوزکا نے حکم دیا۔

پانچوں آدمی پھرتی سے کود پڑے اور جلد ہی جال کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ ایک لمبی تار جو کہ فولاد کی طرح سخت اور تنی ہوئی تھی پانی سے لے کر کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ماہی گیروں نے اس تار کو اپنے جسموں کے گرد لپیٹا ہوا تھا اور وہ اسے کھینچ کر کنارے کی طرف لا رہے تھے۔

اور اسی دوران میں کشتی لہروں پر تیرتی ہوئی جال کے دوسرے کنارے کی طرف جا رہی تھی سورج اب اپنے پورے جوبن سے سمندر پر چھا رہا تھا۔

"اگر تم یعقوب سے ملو تو اسے کہنا کہ وہ کل مجھے ضرور ملے" وسلی نے سربوزکا سے کہا۔

"بہت اچھا" سربوزکا نے جواب دیا۔

اُسی دن شام کے وقت جب ماہی گیر رات کا کھانا کھا رہے تھے غمگین اور تھکی ہاری مالیا ایک ٹوٹی پھوٹی کشتی پر جو کہ اُلٹی پڑی تھی بیٹھی ہوئی تھی اور دھندلی تاریکی میں گھرے ہوئے سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہت دُور کچھ روشنی دکھائی دی۔ مالیا جانتی تھی کہ یہ بجلی کی جلائی ہوئی آگ ہے جو سمندر کی اندھیری وسعتوں میں کھوئی ہوئی ایک زخم کی طرح آگ کبھی کبھی تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھتی اور کبھی مدھم ہو جاتی۔ مالیا روشنی کے اس سُرخ نشان کو دیکھ کر جو سمندر کی وحشت میں کھویا ہوا سا تھا اور جو لہروں کے مسلسل زیر و بم میں آہستہ آہستہ ٹمٹما رہا تھا اُداس ہو رہی تھی۔ اچانک اس نے اپنے پیچھے سریوزکا کی آواز سُنی۔

"تم یہاں کس لیے بیٹھی ہو؟"

"تمہیں اس سے کیا مطلب؟" مالوا نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"یونہی" ــــ اور وہ خاموش ہو گیا۔ مالوا کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا اور سگریٹ سلگا کر ٹوٹی ہوئی کشتی کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد دوستانہ لہجہ میں کہنے لگا۔

"تم بھی ایک عجیب عورت ہو۔ کبھی مردوں سے نفرت کرتی ہو اور کبھی ان کے پیچھے بھاگتی ہو"

"میں تمہارے پیچھے تو نہیں بھاگی" اس نے خشک لہجہ میں جواب دیا۔

"میرے تو نہیں لیکن یعقوف کے ــــ"

"اور تم حسد کرتے ہو"

"ہونہہ ــــ آؤ ہم ٹھنڈے دل سے باتیں کریں" سرپوزنکا نے مالوا کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مشورہ دیا۔

مالوا کا بیٹھ سرپوزنکا کی طرف تھی۔ اس لیے جب مالوا نے بڑی تندی سے اس مشورے کے جواب میں "بہت اچھا" کہا تو وہ اس کے چہرے کے تغیرات کو نہ دیکھ سکا

"اچھا مجھے بتاؤ کہ کیا تم نے وسلی کو چھوڑ دیا ہے؟"

"میں نہیں جانتی" ــــ اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا "تم

"کیوں پوچھتے ہو؟"

"یوں ہی"

"میں اُس سے ناراض ہوں"

"کیوں؟"

"اُس نے مجھے پیٹا تھا"

"پیٹا تھا — کیا اُس نے؟ — اور تم اس سے پٹ گئیں —
اوہ" مسٹر یوزکا نے حیرانی سے آلو کے چاروں طرف دیکھ کر اپنی زبان سے یہ طنز یہ جملہ ادا کیا۔

اگر میں چاہتی تو وہ مجھے نہیں پیٹ سکتا تھا" اس نے غصہ سے کہا

"تو پھر تم نے اُسے روکا کیوں نہیں؟"

"میں روکنا نہیں چاہتی تھی"

"اس سے ظاہر ہے کہ تم اس بوڑھے پاجی کی محبت میں اندھی ہو رہی ہو" مسٹر یوزکا نے اپنی سگریٹ کا دھواں اس پر چھوڑتے ہوئے نادانی سے کہا" میں بہت حیران ہوں — میں تو تمہیں اس قسم کی عورت نہیں سمجھتا تھا"

"میں تم سے کسی کو بھی نہیں چاہتی" اس نے دھواں ہٹاتے ہوئے بڑی لاپروائی سے جواب دیا۔

"یہ جھوٹ ہے"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے" اس نے پوچھا۔

.. اور سرپوزکا اس کی گفتگو کے انداز سے سمجھا کہ وہ سچ مچ جھوٹ نہیں بول رہی۔

.. اگر تم اس سے محبت نہیں کرتی ہو تو پھر تم نے اسے پیٹنے کیوں نہیں دیا" سرپوزکا نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

.. میں کیا جانوں؟ ۔۔۔ مگر تم ایسے سوال کیوں کیے جاتے ہو؟"

"بہت خوب" سرپوزکا نے اپنے سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔

اور بہت دیر تک وہ دونوں خاموش رہے۔

رات ہو چکی تھی۔ بادل دھیرے دھیرے آسمان پر گھوم گھوم کر سمندر پر اپنا عکس ڈال رہے تھے۔ لہریں گنگنا رہی تھیں اور ریتلی کی آگ بجھ چکی تھی۔ لیکن مالوا ابھی تک اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

سرپوزکا نے مالوا پر ایک نظر ڈالی اور کہا "کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

.. کاش میں یہ خود بھی جانتی" مالوا نے سرد آہ بھرتے ہوئے دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔

.. تم بھی نہیں جانتی ۔۔۔ یہ بری بات ہے ۔۔۔ میں ہمیشہ اپنی

خواہشات کو جانتا ہوں" سربوزکا نے پُر زور لہجہ میں کہا۔ "لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجھے کم ہی کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے" اس نے ذرا غمزدہ ہو کر کہا۔

"مجھے ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے" مالوا نے بھی غمگین لہجہ میں کہا "لیکن وہ کیا ہے یہ میں کبھی نہیں جانتی ــــ کبھی میں چاہتی ہوں کہ کشتی پر بیٹھ کر سمندر میں دور نکل جاؤں ــــ بہت دور ــــ اور پھر دوبارہ کسی کی شکل نہ دیکھوں۔ اور کبھی میں چاہتی ہوں کہ ہر آبادی آدمی کو جھکا دوں اور اپنے اوپر لٹو کر لوں اور اس کا مذاق اڑاؤں اور خوب ہنسوں اور پھر کبھی مجھے ان سب پر اور یا وہ تر اپنے آپ پر دکھ ہوتا ہے اور کبھی میں چاہتی ہوں کہ ان سب کو ہوتے سکے ٹکڑے اتار دوں اور خود بھی ایک خوفناک موت کا شکار ہو جاؤں ــــ کبھی میں اداس ہوتی ہوں اور کبھی خوش اور کبھی مجھے اپنے آس پاس تمام لوگ بالکل غیر دلچسپ اور خشک نظر آتے ہیں بالکل لکڑ یوں کے ایک انبار کی طرح۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ تمام لوگ اچھے نہیں" سربوزکا نے اس سے متفق ہوتے ہوئے کہا "میں کئی دفعہ تمہارے بارے میں سوچتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ تم باقی عورتوں سے بہت مختلف ہو۔"

"اور اس کے لیے خدا کا شکر کرو۔" مالوا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

بائیں طرف سے چاند ریت کے ٹیلوں میں سے نکلا اور اپنی سہیلیوں

روشنی سمندر پر بکھرنے لگا۔ پورا چاند اپنی پوری لطافت اور رعنائی سے آسمان کے نیلگوں فردوسی شامیانے میں ابھرنے لگا اور اس کی روپہلی روشنی سے ستاروں کی جگمگاہٹ زرد ہو کر ماند پڑ پڑ گئی۔

مالوا ہنسنے لگی اور بولی "کیا تم جانتے ہو؟ کبھی کبھی میں چاہتی ہوں کہ ان تمام جھونپڑیوں کو آگ لگا دوں اور تماشہ دیکھوں۔ کتنا شور و غل ہوگا"

"واہ ـــــ" سر بوز کا نے داد دیتے ہوئے کہا اور پھر اس کے کندھے پر تھپکی دے کر کہنے لگا "تو لو پھر تمہیں بتاؤں ـــــ ایک مذاق کریں اور ہم دونوں اس میں شامل ہوں ـــــ کیا تم متفق ہو؟"

"شاید" مالوا نے سر بوزکا کی بات جاننے کے لیے بیتاب ہو کر کہا۔

"تم نے یعقوب کے دل میں محبت کی آگ روشن کر رکھی ہے نا۔

"اس کا دل تو بھٹی کی طرح جل رہا ہے" مالوا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اسے اس کے باپ سے لڑا دو۔ خدا کی قسم بہت مزا رہے گا وہ ایک دوسرے کے ساتھ ریچھوں کی طرح لڑیں گے ـــــ تم اس بوڑھے کو ذرا اکسا دو اور پھر اس جھوکرے کو بھی ـــــ کیا خیال تمہارا اس بارے میں؟"

مالوا نے اپنا منھ سر بوزکا کی طرف گھمایا اور سر بوزکا کے سُرخ اور زخم خوردہ چہرے کو دیکھا جو چاند کی روشنی سے جگمگا رہا تھا اور اس پر غصّے کی کوئی کرن

نہیں تھی۔ بلکہ ایک شرارت آمیز تبسم تھا۔

"تم نہیں کیوں ناپسند کرتے ہو؟" مالوا نے شبہ سے بھرتے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

"میں ——— بلی تو ٹھیک ہے ——— لیکن بیوقوف ——— مجھے اس سے بیحد نفرت ہے۔ لیکن چھوڑو اس بات کو اور ذرا اس تجویز پر غور کرو۔ یہ مذاق خوب رہے گا ——— تمہیں تو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بس وہ آپس میں لڑیں گے اور بس ——— بلی نے تمہیں پیٹا تھا۔ ٹھیک ہے نا۔ اور اس طرح اس کا اپنا بیٹا اسے پیٹے گا۔"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے" مالوا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اور تم سوچو کہ کیا اپنی خاطر لوگوں کو لڑتے دیکھنا پسندیدہ منظر نہیں ہے؟ ——— اور صرف تمہارے ایک ہی اشارے پر ——— بس تم صرف ایک یا دو بار اپنی زبان کو جنبش دو۔ اور وہ ایک دوسرے کے سر ہو جائیں گے۔"

سریوزکا نے مزاح و سنجیدگی کے ملے جلے انداز میں مالوا کو مفصل طور پر اس کے مجوزہ کردار کی دلچسپ جزئیات سے آگاہ کیا۔

"کاش کہ میں ایک خوبصورت عورت ہوتی۔ تو دنیا بھر میں فساد بپا کر دیتی" اس نے مزے میں آنکھوں کو بند کرتے ہوئے اور ہاتھوں سے سر کو پکڑتے ہوئے نتیجہ اخذ کرنے کے انداز میں کہا۔

ان کے جدا ہونے سے پہلے ہی چاند آسمان کی چوٹی تک پہنچ چکا تھا اور ان کے چلے جانے کے بعد رات کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

اب صرف لامحدود سمندر سینکڑوں چاند اور ستاروں سے جڑا ہوا آسمان باقی رہ گئے تھے۔ کچھ ریت کے تودے بھی تھے اور ان میں کہیں کہیں سمندری جھاڑیاں اور ان جھاڑیوں کے درمیان دو اور خستہ حال مکان تھے جو دور سے دو سرسری طور پر بنائے ہوئے مزار دکھائی دیتے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ سمندر کے مقابلہ میں ہیچ نظر آتا تھا اور ستارے جو کہ اس منظر کو حقارت سے دیکھ رہے تھے خنک روشنی سے جگمگا رہے تھے۔

باپ بیٹا ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے جھونپڑی میں واڈکا پی رہے تھے یعقوب واڈکا اپنے ساتھ لایا تھا تاکہ باپ کے ساتھ اس کی ملاقات بے رنگ نہ رہے اور وہ اپنے باپ کے دل کو واڈکا کے ذریعہ نرم اور اپنی طرف مائل کرسکے۔ تربوزکا نے اسے بتا دیا تھا کہ مالوا کی وجہ سے اس کا باپ اس سے ناراض ہے۔ اور اُس نے مالوا کو جان تک سے مار ڈالنے کا تہیہ کیا ہوا ہے اور تربوزکا نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ مالوا یہ سب کچھ جانتی ہے اور اسی لیے وہ اس کی طرف راغب نہیں ہوئی۔

تربوزکا نے اسے مذاق مذاق میں کہا تھا: "وہ تمہیں تمہاری چالاکی کی سزا دے گا اور تمہارے کان کھینچ کھینچ کر گز گز بھر لمبے کر دیگا۔ بہتر یہی ہے

کہ تم اسے اپنی شکل تک نہ دکھاؤ۔"

اس سُرخ بالوں والوں آدمی کے مذاق نے یعقوب کے دِل میں اپنے باپ کے لیے بے پناہ غصّہ بھر دیا تھا۔ اور مالوا کی بدسلوکی سے اس غصّے میں اور شدّت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ کبھی اسے پیار بھری نظروں سے اور کبھی نفرت سے دیکھتی تھی۔ اس طرح اس کے دل میں مالوا کو حاصل کرنے کی خواہش نہایت تیزی سے بھڑک اٹھی حتیٰ کہ یہ خواہش اب دبائے نہ دبتی تھی۔

اسی لیے جب وہ اپنے باپ سے ملا تو اسے اپنے راستے میں ایک رکاوٹ خیال کرنے لگا۔ ایک ایسی رکاوٹ جس کو نہ تو وہ پھلانگ سکتا تھا اور نہ ہی اس کے گرد گھوم کر نکل سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے باپ سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں ہوا۔ اور اس کے عین مقابل حوصلے اور اعتماد سے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرہ پر خوداعتمادی اور غصّے کے آثار گویا اپنے باپ سے کہہ رہے تھے "کیا تم میرے مدِمقابل ہونے کی جرأت کر سکتے ہو؟"

وہ دو دو پیگ پی چکے تھے اور ماہی گیری کے بارے میں ایک یا دو معمولی جملوں کے سوا انھوں نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ ایک دوسرے کے بالمقابل ——— لامحدود سمندر کے پاس وہ اپنے اپنے دل میں غصّے کی آگ بھڑکائے بیٹھے تھے۔ دونوں یہ جانتے تھے کہ جلد ہی غصّے کا یہ لاوا پھوٹے گا اور اپنا اثر دکھائے گا۔

جھونپڑی کی چھت کے ساتھ ہوا ٹکرا ٹکرا کر مختلف آوازیں پیدا کر رہی تھی اور یہ آوازیں ان مدھم مدھم سرگوشیوں سے مشابہ تھیں جن کا مفہوم گویا کسی سے لجاجت آمیز انداز میں امداد طلب کرنا ہو۔

"کیا سمر آیوز کا ابھی تک شراب میں مدہوش ہے؟" وسلی نے غمگین آواز میں پوچھا۔

"ہاں وہ ہر رات کو مدہوش ہو جاتا ہے؟" یعقوف نے واڈکا کو گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"بس یہی اس کی موت کا باعث ہوگا — اور کیا ہوگا؟ — یہ آزادانہ زندگی — کسی کے ڈر اور خوف کے بغیر — تم بھی اسی کی مانند ہو جاؤ گے۔"

یعقوف نے غصے سے جواب دیا "نہیں — ہرگز نہیں —"

"نہیں — ہرگز نہیں" وسلی نے گرجتے ہوئے کہا "میں سب کچھ جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں تمہیں یہاں آئے کتنی مدت ہو چکی ہے؟ — تین مہینے مکمل ہو رہے ہیں اور اب تمہاری واپسی کا وقت آ رہا ہے۔ کیا تمہارے پاس ساتھ لے جانے کے لیے کافی روپیہ موجود ہے" یہ کہہ کر وسلی نے اپنا مگ اٹھایا اور ایک دم اسے پی گیا اور اپنے ہاتھ سے داڑھی کو اکٹھا کرنے کے بعد اسے اس زور سے کھینچا کہ جھٹکے کے ساتھ اس کا سر بھی پیچھے کی

طرف جھک گیا۔

"میں اتنی تھوڑی سی مدت میں زیادہ تیز تر بھاگ سکتا تھا،" یعقوب نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر یہاں آوارہ گردی کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ گاؤں واپس چلے جاؤ۔"

یعقوب صرف مسکرا دیا اور خاموش رہا۔

"تم یہ کیسا مذاق کر رہے ہو؟" وسلی نے اپنے بیٹے کی بے توجہی اور لاپرواہی کو دیکھتے ہوئے غصے میں آ کر کہا "تمہیں ہنسنے کا حوصلہ کیونکر ہوا جبکہ تمہارا باپ تمہارے ساتھ محو گفتگو ہے۔ مجھے تمہاری اس گستاخ رویے کی روک تھام کرنا پڑے گی۔

یعقوب نے کچھ اور واڈکا ڈالی اور پی گیا۔ باپ کی جھڑکیوں نے اس کے غصے کو اور بھی تیز کر دیا تھا تاہم اس نے اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ تاکہ اس کے خیالات اس کے باپ کو اور زیادہ ناراض نہ کر دیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کی آنکھوں میں ظلم اور تشدد کی چنگاریاں دیکھ کر کچھ ڈر بھی گیا تھا۔

جب وسلی نے دیکھا کہ اس کا بیٹا۔ اسے بغیر کچھ کہے ایک اور پیگ پی گیا ہے تو اس کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا اور اس نے کہا "تمہارا باپ تمہیں جانے کے لیے کہہ رہا ہے اور تم ہنس رہے ہو۔ ہو نہ ہو اندا نے تمہارا دماغ

میں کہا " تم سنیچر کے دن اپنی نوکری چھوڑ دو اور فوراً گھر روانہ ہو جاؤ۔ کیا تم میری بات سُن رہے ہو؟"

" میں نہیں جاؤں گا" یعقوب نے سختی سے کہا اور اس کا چہرہ اپنا سرخ ہو گیا۔

" تم نہیں جاؤ گے" وسلی گرجا۔ اور ڈھول پر ہاتھ رکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا " تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔ تم کتے کی طرح اپنے باپ کے سامنے بھونک رہے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں" یہ کہتے کہتے اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ چہرہ سُرخ ہو گیا اور کنپٹیوں کی نسیں پھول گئیں۔

" میں کچھ نہیں بھولا۔ سب جانتا ہوں" یعقوب نے اپنے باپ کی طرف دیکھے بغیر دھیمی آواز میں جواب دیا " لیکن کیا تمہیں بھی سب کچھ یاد ہے بہتر ہے تم ذرا یہ سوچ لو۔

" تم مجھے عقل سکھانے چلے ہو ــــــ میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔

یعقوب نے اپنے باپ کا بازو جو کہ اس کے سر پر اُٹھ رہا تھا پرے دھکیل دیا اور غصے کی وجہ سے دبائے ہوئے دانتوں میں سے بولا " مجھ پر ہاتھ اُٹھانے کا حوصلہ نہ کرو۔"

" خاموش۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ اس سے کیا کہ ہم کہاں ہیں۔

" تم یہاں مجھے ولوسٹ کے تھانے میں نہیں پٹوا سکتے۔ یہاں کوئی

دلوسٹ نہیں ہے،، یعقوب نے ہنستے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا
وسّلی کی آنکھوں میں خون اُتر رہا تھا۔ اپنے سر کو آگے کی طرف بڑھا کر
غصّے سے اس نے گھونسہ تان لیا۔ اس کی گرم گرم سانس جس میں سے واڈکا
کی بُو آ رہی تھی یعقوب کے منھ کو چھو رہی تھی۔ یعقوب پیچھے ہٹ گیا اور نیچی
نظروں سے اپنے باپ کی ایک ایک حرکت کو دیکھنے لگا۔ بظاہر وہ بالکل
خاموش تھا لیکن اس کا تمام جسم پسینہ سے تر تھا۔ ان دونوں کے درمیان
خالی ڈھول پڑا تھا جو میز کا کام دے رہا تھا۔

،، بس نہیں نہیں ہٹ سکتا ـــــ تم یہی کہہ رہے ہو نا" وسّلی نے
اپنی کمر کو شکار پر جھپٹنے کے لیے تیار بلّی کی طرح جھکا کر سختی سے کہا۔

،، یہاں ہر ایک آدمی برابر ہے ـــــ تم ایک مزدور ہو اور میں بھی
،، تو یہ بات ہے ؟"

،، تم کیا سمجھ رہے ہو ؟ تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو ـــ پاگل
کیوں ہو رہے ہو۔ کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں کچھ نہیں جانتا ـــ یہ کھیل تو
نہیں نے شروع کیا ہے "

وسّلی گرجا اور اس نے اس تیزی سے بازو گھمایا کہ یعقوب اپنے
آپ کو بچا نہ سکا۔ گھونسہ اس کے سر پر پڑا۔ وہ کانپ اُٹھا اور جھنجھلا کر اسے
تنبیہ کرتے ہوئے بولا " محتاط ہو جاؤ ـــ"

اور جوں ہی اس کے باپ نے دوبارہ بازو اٹھایا اس نے بھی گھونسہ تان لیا۔

"میں تمہیں محتاط ہو جاؤ" کا مزہ چکھاتا ہوں"

"ٹھہرو — میں کہتا ہوں"

"ہوں — تم اپنے باپ کو دھمکاتے ہو — اپنے باپ کو۔ اپنے — باپ کو"

چھوٹی سی جھونپڑی ان کی نقل و حرکت میں رکاوٹ ڈال رہی تھی وہ کبھی نمک کی بوریوں۔ کبھی الٹے پڑے ہوئے ڈھول اور کبھی درخت کے تنے پر سے لڑھک جاتے تھے۔

اپنے گھونسوں سے باپ کے حملوں کو روکتا ہوا زرد اور پسینے سے تر ابو یعقوب دانتوں کو دبائے ہوئے اور کھبرئیے جیسی جلتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ذرا پیچھے ہٹا اور اس کا باپ گھونسہ گھماتے ہوئے آگے بڑھا۔ بالکل جنگلی سور کی طرح۔

"بس ختم کرو — بہت ہو چکا — ختم کرو، یعقوب نے سنجیدہ لہجہ میں جھونپڑی کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

اس کا باپ اور بھی زیادہ گرجا اور اس کے پیچھے دوڑا لیکن اس کے گھونسے محض یعقوب کے گھونسوں ہی سے ٹکرا کے رہ گئے۔

"کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟ — کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟" یعقوب نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ اپنے باپ سے زیادہ چست ہو تنرار تا کہا۔

"تم ٹھہرو — ذرا ٹھہرو —"

لیکن یعقوب ایک طرف کو پھلانگ گیا۔ اور سمندر کی طرف بھاگ گیا۔ وسلی بھی اس کے پیچھے سر جھکائے اور بازو پھیلائے دوڑا اور دوڑتے دوڑتے کسی چیز سے ٹکرا کر اوندھے منہ گرا۔ اور پھر جلدی سے اٹھ کر ریت پر اپنے بازوؤں سے جسم کو سہارا دئیے بیٹھ گیا۔ اس کا جسم تھکا ہوا تھا اور وہ اپنا بدلہ نہ لے سکنے اور اپنی کمزوری کے احساس سے بڑبڑا رہا تھا۔

"تم پر قہر نازل ہو!" اس نے یعقوب کی سمت سر جھکا کر کپکپاتے ہوئے وحشت ناک ہونٹوں سے جھاگ تھوکتے ہوئے کہا۔

یعقوب ایک کشتی کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ کو بغور دیکھنے لگا۔ اپنے زخمی سر کو سہلانے لگا۔ اس کے قمیص کا ایک بازو پھٹ گیا تھا اور صرف ایک ہی تاگے سے لٹک رہا تھا۔ گریبان بھی پھٹا ہوا تھا اور اس کی پسینہ سے ترچھاتی سورج کی روشنی میں اسطرح چمک رہی تھی جیسے تیل سے چپڑی ہوئی ہو اس نے اب اپنے باپ کے لیے نفرت محسوس کی۔ وہ ہمیشہ اسے اپنے سے زیادہ طاقتور خیال کرتا تھا اور اب اُسے ریت پر بیچارگی کی حالت میں بیٹھے ہوئے گھونسوں سے دھمکاتے ہوئے دیکھ کر وہ ایک دلیرانہ ہنسی ہنسا جیسے

اس کی کمزوری کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"تم پر قہر نازل ہو ___ ہمیشہ کے لیے قہر،" وسلی اتنے زور سے چلایا کہ یعقوب سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ مبادا کوئی ماہی گیر اس نحیف اور غصیلی آواز کو سن رہا ہو۔ لیکن وہاں سورج اور لہروں کے سوا کوئی نہیں تھا۔

اور یعقوب نفرت سے تھوکتے ہوئے کہنے لگا" اور چلاؤ ___ چلاتے رہو۔ آخر اس میں کس کا نقصان ہے۔ صرف تمہارا ___ چونکہ یہ جھگڑا ہم دونوں کے مابین ہوا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ ___"

"حکومت ___ میری نظر سے دُور ہو جاؤ ___ دفع ہو جاؤ" وسلی گرجا۔

"میں گاؤں واپس نہیں جاؤں گا" یعقوب نے اپنے باپ کی طرف دیکھتے اور اس کی حرکت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا" میں سردی کا تمام موسم یہیں گذاروں گا۔ میرے لیے یہ جگہ بہتر ہے۔ میں بیوقوف نہیں ہوں ___ میں سب کچھ سمجھتا ہوں۔ یہاں آرام ہے ___ گاؤں میں تم جو جی میں آئے میرے ساتھ کر لینا یہاں ___ خیال رکھو"

اس کے بعد اس نے اپنے باپ کو گھونسہ دیا اور قہقہہ لگایا۔ قہقہے کی آواز نے وسلی کو پھر مشتعل کر دیا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہو گیا اور ایک چپو اُٹھا کر چلاتے ہوئے یعقوب پر جھپٹا" تم اپنے باپ کے ساتھ ایسا کرتے ہو ___ میں

تمہیں مار ڈالوں گا۔"

اور جب وہ غصے کی حالت میں کشتی تک پہنچا۔ تو یعقوب پھٹے ہوئے بازو کو گھسیٹتا ہوا کافی دُور نکل چکا تھا۔ دلی نے پاگلوں کی طرح چپّو یعقوب پر دے مارا لیکن چپّو یعقوب تک نہ پہنچ سکا۔ اور دلی ہانپتے ہوئے اپنی چھاتی کو کشتی کا سہارا دے کر کھڑا ہو گیا اور یعقوب کو گھورنے لگا۔

یعقوب کچھ فاصلے سے چلّایا "تمہیں اپنے آپ پر شرم آنی چاہیئے۔ تمہارے بال سفید ہو چکے ہیں اور پھر بھی تم ایک عورت کے لیے پاگل ہوئے جا رہے ہو۔ —— لیکن میں اب گاؤں میں نہیں جاؤں گا —— تم خود چلے جاؤ۔ تمہیں یہاں کوئی کام نہیں ہے۔"

دلی گرجدار آواز میں چلّایا "یعقوب بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" —— اور یعقوب ٹہلتا ہوا چلا گیا۔

اس کا باپ اسے دیوانوں کی طرح دیکھتا رہا —— اب یعقوب بہت چھوٹا نظر آ رہا تھا۔ اس کے پاؤں ریت میں دھنس گئے تھے —— اب وہ کمر تک ریت میں دھنس گیا تھا —— کمر سے تک —— گردن تک —— اور آخر کار اب نظر سے اوجھل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس جگہ سے کچھ دُور جہاں وہ نظر سے اوجھل ہوا تھا اس کا سر پھر اُبھرا۔ پھر اس کے کندھے اور آہستہ آہستہ اس کا تمام جسم نظر آنے لگا۔ لیکن اب وہ پہلے کی نسبت بہت چھوٹا نظر آ رہا تھا وہ

چلتے چلتے پیچھے کی طرف مڑا اور وسلی کی طرف دیکھ کر کچھ چلّایا۔ مگر یہ الفاظ وسلی تک نہ پہنچ سکے۔

"لعنت ہو ـــــ تم پر لعنت ہو ـــــ لعنت ہو" وسلی جواب میں چلّانے لگا ـــــ

اس کے بیٹے نے کوئی تحقیر آمیز سا اشارہ کیا۔ مڑا۔ اور پھر آگے بڑھ گیا اور پہلے کی طرح ریت کے تودوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

وسلی بہت دیر تک اس طرف دیکھتا رہا جدھر اس کا بیٹا گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی کمر میں درد محسوس ہونے لگا۔ کیونکہ وہ ایک کشتی کا سہارا لیے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے کشتی کا سہارا چھوڑ دیا اور جسم کے ہر حصّے میں درد محسوس کر کے لڑکھڑا سا گیا۔ اس کی کمر کی پیٹی ڈھلک گئی تھی۔ اس نے اپنی بے حس اُنگلیوں سے پیٹی کھول کر دیکھی اور پھر اسے ریت پر پھینک دیا اور خود جھونپڑی کی طرف مڑا اور ایک گڑھے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اب اسے یاد آیا کہ وہ یہیں لڑکھڑا کر گرا تھا۔ اور اگر وہ یہاں نہ گرتا تو اپنے بیٹے کو پکڑ لیتا۔

جھونپڑی میں ہر طرف بے ترتیبی تھی۔ وسلی وہاں پہنچ کر واڈکا کی بوتل تلاش کرنے لگا اور اس نے بوتل کو بوریوں میں گرا ہوا پایا۔ بوتل کا کارک اچھی طرح لگا ہوا تھا اس لیے واڈکا بوتل سے باہر نہیں گر سکی تھی۔ وسلی نے آہستہ سے کارک کھولا اور بوتل کا منہ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ وہ ابھی پیتا ہی جا رہا تھا۔

کہ بوتل کا منہ اس کے دانتوں سے ٹکرایا اور داڑ کا اسکی ڈاڑھی اور چھاتی پر بہہ گئی
اسے اپنے کان گونجتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کا دل زور زور سے
دھڑکنے لگا اور اس کی کمر میں ناقابلِ برداشت درد ہونے لگا۔

"آخر کار میں بوڑھا ہوں" اس نے اپنے آپ سے کہا اور جھونپڑی کے
دروازے پر ریت میں لیٹ گیا۔ سمندر اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا اور لہریں
ہمیشہ کی طرح زور زور سے شور و غل مچا رہی تھی۔ ہنس رہی تھیں۔ وہ کبھی بہت
دیر تک پانی کو دیکھتا رہا اور پھر اسے اپنے بیٹے کے کہے ہوئے الفاظ یاد آنے لگے۔
"کاش یہ سارے کا سارا زمین ہوتا ۔۔۔ سیاہ مٹیالی زمین اور ہم اس
سارے میں ہل چلاتے بیٹے" اور اس دیہاتی پر ایک عجیب سا احساس چھا گیا
وہ زور زور سے اپنی چھاتی مسلنے لگا۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی اور پھر
ایک لمبی سانس لی۔ اس کا سر نیچے جھک گیا اور کمر ایسے جھک گئی۔ جیسے کسی بوجھ
کے نیچے دبی جا رہی ہو۔ اس کا گلا رندھ رہا تھا۔ وہ گلا صاف کرنے کے لیے زور
سے کھانسا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا اور اداس اداس خیالات میں کھو گیا۔
ایک آوارہ عورت کی خاطر اس نے اپنی بیوی کو بھلا دیا تھا۔ اس بیوی کو
جس کے ساتھ اس نے محنت مشقت اور ایمانداری کے ساتھ سترہ سال بسر کیے
تھے ۔۔۔ اور اس کے لیے خدا نے اسے اس کے بیٹے کی بغاوت کی شکل میں سزا
دی ہے۔ یہی بات ہے ۔۔۔ یا خدا ۔۔۔"

اس کے بیٹے نے اس کا مذاق اُڑایا تھا ـــــ اور اس کا دل پاش پاش کر دیا تھا۔ اپنے باپ کی روح کو اس طرح تڑپانے کی سزا موت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور وہ بھی کس طرح کی خاطر ـــــ محض ایک بدکار عورت کے لیے جو کہ اپنی زندگی گناہ کے غار میں گذار رہی ہے۔ اس کا یہ گناہ تھا کہ اس نے اپنی بیوی اور بیٹے کو دل سے بھلا دیا تھا۔ اور ایک غیر عورت سے تعلقات پیدا کر لیے تھے۔

اس طرح خدا نے اپنے ننھے بیٹے سے اسے اپنا فرض یاد دلایا ہے اور اسی کے بیٹے کے ہاتھوں اُسے سزا دی ہے ـــــ یہی حقیقت ہے ـــــ یا خدا

وسلی بکا یک زینہ پر سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگا۔ سورج سمندر میں غروب ہو گیا اور آسمان پر سے افق کی لالی بھی جاتی رہی۔ دور سے گرم ہوا۔ وسلی کے آنسوؤں سے نمناک چہرے سے ٹکراتی رہی۔ وہ پچھتاوے کے خیالات میں گم وہیں بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہیں سو گیا۔

اپنے باپ کے ساتھ لڑنے کے دو دن بعد یعقوب چند ماہی گیروں کے ساتھ ایک بہت بڑی کشتی میں جو بھاپ سے چلتی تھی تقریباً بیس میل دُور خاص قسم کی مچھلیاں پکڑنے کے لیے گیا اور پانچ دن کے بعد وہ اکیلا ایک بادبانی کشتی میں واپس خوراک لینے کے لیے آیا۔ جب وہ آیا اس وقت دوپہر تھی۔ ماہی گیر دوپہر کا کھانا کھا کر آرام کر رہے تھے۔ بلا کی گرمی تھی اور چلتے چلتے یعقوب کے پاؤں جلے جاتے تھے اور ان میں مچھلیوں کے بکھرے ہوئے پنجر بھی چبھنے لگتے تھے تاہم وہ بہت احتیاط سے چلتا ہوا اور اپنے آپ کو جوتا نہ پہننے کی وجہ سے گالیاں دیتا ہوا جھونپڑیوں تک آ ہی پہنچا لیکن وہ یہاں آ کر بھی کشتی میں بیٹھنے کے لیے نہ گیا کیونکہ وہ روٹی کھانے اور مالوا کو دیکھنے کے لیے بہت بیتاب ہو رہا

تھا۔ اس نے سمندر پر عجیب دلچسپ وقت گذارتے ہوئے مالوا کو کئی دفعہ پایا تھا اور اب وہ یہ جاننے کے لیے بہت بے صبر تھا کہ وہ اس کے باپ سے ملی ہے یا نہیں اور اگر ملی ہے تو اس نے اس سے کیا کچھ کہا ہے ـــ شاید اس نے مالوا کو پیٹا ہو ـــ اور مارپیٹ مالوا کے لیے کوئی بری چیز نہ تھی ـــ اس سے اس کا دماغ ذرا ٹھکانے آجائے گا۔ وہ بہت تند خو اور مغرور تھی۔

ماہی گیروں کی جھونپڑیاں خاموش اور ویران تھیں۔ جھونپڑیوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ ایجنٹ کے دفتر میں جو کہ جھونپڑیوں میں چھپا ہوا تھا ایک بچہ اپنے پورے زور سے چلا رہا تھا اور ڈھولوں کی قطار کے پیچھے سے کچھ مدھم سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

یعقوب نے ایسا محسوس کیا جیسے ڈھولوں کے پیچھے سے مالوا کی آواز بھی آرہی ہے ـــ اور وہ بڑی جرأت سے ڈھولوں تک بڑھ گیا۔ ڈھولوں کی قطار کے پیچھے نظر دوڑاتے ہی وہ حیرت زدہ سا ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے وہ پیچھے کو مڑا اور پھر رک گیا۔

ڈھولوں کے پیچھے اور ان کے سائے میں سرخ بالوں والا سریوژکا اپنے ہاتھوں کو سر کے نیچے رکھے پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف مالوا بیٹھی تھی اور دوسری طرف اس کا باپ۔

"وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

اس نے اپنے باپ کے متعلق دل ہی دل میں سوچتے ہوئے کہا "کیا اُس نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ یہاں آکر ماآلوا کی قربت حاصل کر سکے اور مجھ سے اُسے دُور رکھ سکے ــــ اوہ کیا بکواس ہے ــــ اگر ماں کو اس کی ان کرتوتوں کا پتہ چل جائے تو ــــ مگر مجھے اب آگے جانا چاہیئے یا نہیں؟"

"اچھا ــــ" اس نے سرپوزکا کی آواز سُنی، "تو پھر سلام۔ آہ ــــ بہت اچھا جاؤ اور چلاؤ۔

یعقوف نے خوشی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"ہاں میں جا رہا ہوں" اس کے باپ نے کہا۔

یعقوف حوصلے سے آگے بڑھا اور پرمسرت لہجہ میں بولا "آپ سب کو سلام"

اس کے باپ نے ایک اجنبی سی نظر اس پر ڈالی اور پھر منہ موڑ لیا۔ ماآلوا بھی ٹس سے مس نہ ہوئی لیکن سرپوزکا اپنی ٹانگ ہلاتے ہوئے کہنے لگا "دیکھو ہمارا بیٹا یعقوف لمبے سفر سے واپس آگیا ہے" اور اس نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا "اس کی کھال اُتار لینی چاہیئے اور اسکو بھیڑ کی کھال کی طرح ڈھول پر استعمال کرنا چاہیئے۔

ماآلوا آہستہ سے ہنس دی۔

"بہت گرما ہے" یعقوف نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

وسلی نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا اور کہا "میں تمہارا انتظار کر رہا تھا یعقوب"

یعقوب نے محسوس کیا کہ اس کے باپ کی آواز پہلے کی نسبت نرم اور اس کا چہرہ جوان تھا۔

"میں رسد ذخیرہ لینے آیا ہوں" یعقوب نے کہا اور پھر سر یوز کا سے سگریٹ کے لیے تمباکو طلب کرنے لگا۔

"میں تمہیں بالکل تمباکو نہیں دونگا ــــ بیوقوف چھوکرے!" سر یوز کا نے بغیر کسی جنبش اور حرکت کے جواب دیا۔

"یعقوب میں گھر جا رہا ہوں" وسلی نے ریت پر انگلیوں سے کچھ نشان بناتے ہوئے بڑے مؤثر لہجہ میں کہا۔

"کیا یہ درست ہے؟" یعقوب نے معصومیت اپنے باپ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور تم ــــ کیا تم یہیں رہو گے؟"

"ہاں میں یہیں رہوں گا ــــ ہم دونوں کے لیے گاؤں میں کام مہیا نہیں ہو سکتا"

"اچھا ــــ میں کچھ نہیں کہتا ــــ جو چاہو کرو۔ تم اب بچے نہیں ہو لیکن صرف یہ یاد رکھو میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکوں گا ــــ

شاید میں زندہ تو رہ جاؤں لیکن جہاں تک کام کرنے کا تعلق ہے مجھے مطلقاً یقین نہیں ہے کہ میں کر سکوں گا ـــ میں اب کھیتی باڑی کرنے کا عادی ہی نہیں رہا ـــ اس لیے یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ گاؤں میں تمہاری ایک ماں بھی ہے، وہ بہت مشکل سے یہ جملے ادا کر سکا۔ الفاظ دانتوں سے بڑی دقت سے نکل رہے تھے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی ڈاڑھی کو سہلانے لگا۔ اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔

مالو اس کی طرف دیکھنے لگی۔ سر آیوز کا نے بھویں چڑھالیں اور اپنی گول گول آنکھوں سے یعقوب کی طرف دیکھنے لگا۔

یعقوب خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا لیکن اس اندیشے کے تحت کہ اس کی خوشی کا اظہار کہیں ظاہرداری کی حد کو نہ پار کر دے وہ خاموشی سے اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

"ـــ تو اپنی ماں کو فراموش نہ کرنا بیٹا ـــ یاد رکھنا کہ تم اس کے اکلوتے بیٹے ہو،" وسلی نے کہا۔

"نہیں اس بات پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہو۔ میں یہ سب سمجھتا ہوں" یعقوب نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت اچھا ـــ اگر تم جانتے ہی ہو تو بہت اچھا ـــ اس کے باپ نے غیر مطمئنانہ نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا "بس میں تو یہی کہتا ہوں کہ تم آتے

بھلا نہ دینا، یہ کہہ کر وسلی نے ایک لمبی سانس لی۔

کچھ دیر تک چاروں کے چاروں خاموش رہے۔ پھر ماکوا نے کہا

گھنٹی بجنے والی ہے،

"اچھا تو میں چلتا ہوں" وسلی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

اور باقی تینوں بھی کھڑے ہو گئے۔

"اچھا سانجبو! اگر کبھی تمہارا گذر دالنگا کی طرف ہو تو ملنا شاید

تم مجھے ملو گے"

"ضرور ضرور" سر یوزکا نے وسلی سے مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ

کو اپنے نیچے سے جس پر کہ سرخ بال اُگے ہوئے تھے زور سے دباتے ہوئے

اور اپنے افسردہ چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا" لائی کو مکل سکائی

بہت بڑی جگہ ہے۔ اور وہاں کے سب لوگ اسے جانتے ہیں۔ اور ہم

وہاں سے تقریباً چار میل دور رہتے ہیں" وسلی نے سمجھایا۔

"بہت اچھا۔ بہت اچھا۔ اگر میں کبھی ادھر گیا تو ضرور ملونگا"

"الوداع"

"الوداع بوڑھے آدمی"

"الوداع ماکوا" وسلی نے اسے دیکھے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا

ماکوا نے آہستہ سے اپنے ہونٹوں کو آستین سے پونچھا اور اپنے سفید

ہاتھوں کو وصلی کے کندھوں پر رکھ کر خاموشی اور افسردگی سے تین دفعہ اُس کے ہونٹوں اور گالوں کو بوسہ دیا۔

وصلی گھبرا سا گیا اور اس نے کچھ بے ربط سے الفاظ کہے یعقوب نے طنزیہ ہنسی کو چھپانے کے لیے اپنا سر جھکا لیا۔ اور سر بوزکا آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے جمائیاں لینے لگا۔

جماہی لیتے ہوئے سر بوزکا نے کہا، "نہیں گرمی میں چلنے میں ذرا مشکل پیش آئے گی۔"

"اوہ یہ معمولی بات ہے — اچھا الوداع یعقوب"

"الوداع"

وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں "الوداع" کے اس لفظ نے جو کہ پچھلے چند لمحوں میں متعدد بار گونجا تھا یعقوب کے دل میں اپنے باپ کے لیے عقیدت پیدا کر دی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس عقیدت کا اظہار کیوں کر کرے۔ وہ کبھی اس سے مالوا کی طرح بغل گیر ہو یا سر بوزکا کی مانند مصافحہ کرے۔

وصلی اپنے بیٹے کی اُدھیڑ بُن سے جو کہ اس کے چہرے سے نمایاں تھی گھبرا رہا تھا اور اسکی موجودگی میں کچھ شرم سی بھی محسوس کر رہا تھا۔ شرم کا احساس اس میں مالوا کے بوسوں اور اپنے بیٹے سے جھونپڑی میں لڑنے جھگڑنے کی بات سے

بیدار ہو گیا تھا۔

"اور ہاں اپنی ماں کو نہ بھلا دینا ۔۔۔" اس نے آخرکار پھر کہا

"بہت اچھا ۔۔۔ بہت اچھا" یعقوب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم کسی قسم کا فکر نہ کرو۔ میں وہی کروں گا جو مناسب ہوگا"

"اچھا تو میں چلتا ہوں۔ الوداع۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔ الوداع سرپوزکا! ۔۔۔ چائے کی کیتلی سبز رنگ کی کشتی کے نیچے رکھی ہے"

"اسے چائے کی کیتلی کی کیا ضرورت ہے؟" یعقوب نے جلدی سے دریافت کیا۔

"اس نے میرا کام سنبھال لیا ہے" وسلی نے بتایا۔

یعقوب نے سرپوزکا کی طرف نظر دوڑائی اور پھر مالوا کا جائزہ لیا اور اپنی آنکھوں میں خوشی کے جذبے کو چھپانے کے لیے سر نیچا کر لیا۔

"اچھا دوستو! الوداع میں جا رہا ہوں"

وسلی جھکا اور چلنے لگا۔ مالوا بھی اس کے ساتھ ہولی۔

"میں تمہیں تھوڑی دور تک چھوڑ آؤں" اس نے کہا۔

سرپوزکا ریت پر بیٹھ گیا اور جوں ہی یعقوب بھی مالوا کے پیچھے جانے لگا اس نے اس کا پاؤں پکڑ لیا۔

"واہ ۔۔۔ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"ٹھہرو۔ مجھے جانے دو" یعقوب اپنا پاؤں چھڑاتے ہوئے چلّایا۔
لیکن سرتیوزکا نے اس کا دوسرا پاؤں بھی پکڑ لیا اور کہنے لگا، "کچھ دیر کے لیے میرے پاس بیٹھ جاؤ"
"مجھے بے وقوف نہ بناؤ"
"میں تمہیں بیوقوف نہیں بنا رہا —— لیکن تم یہاں بیٹھ جاؤ"
یعقوب بیٹھ گیا۔

"تم کیا چاہتے ہو" اس نے اپنے بھینچے ہوئے دانتوں کے ساتھ حکم دیا۔
"ٹھہرو۔ کچھ دیر کے لیے چپ ہو جاؤ —— مجھے سوچ لینے دو پھر میں اس کا جواب دونگا"

سرتیوزکا نے یعقوب کی طرف بڑے ڈراؤنے اور دھمکا دینے والے انداز میں دیکھا اور یعقوب بھی اس کی ان نظروں سے مرعوب ہو گیا۔
مالوا اور وسلی کچھ دیر تک خاموشی سے چلتے رہے۔ مالوا کبھی کبھی اس کی طرف دیکھ لیتی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ وسلی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ ان کے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے اور وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔
"وسلی —— !"
"کیا —— ؟" وسلی نے جواب میں مالوا کی طرف دیکھا اور منہ پھیر لیا

"میں نے خواہ مخواہ تمہیں اور یعقوب کو لڑا دیا ـــ تم دونوں لڑتے جھگڑنے کے بغیر بھی یہاں رہ سکتے تھے" اس نے خاموش اور نرم لہجہ میں کہا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" وسلی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"میں نہیں جانتی ـــ بس یوں ہی" اور وہ اپنے کندھے ہلاتے ہوئے ہنس پڑی۔

"ہوں بڑا کمال کیا ـــ ؟" اس نے خشم آلود لہجہ میں جھڑکتے ہوئے کہا۔ اور مالوا خاموش رہی۔

"تم میرے لڑکے کو تباہ کر رہی ہو ـــ بلکہ تباہ کر دوں گی۔ ہوں تم چھنال ہو چھنال ـــ تمہیں خدا کا کوئی خوف نہیں ـــ اور تمہیں اپنی کرتوتوں پر ذرا بھی حیا نہیں آتی ـــ"

"اور کیا کروں؟" اس نے کچھ ایسے لہجہ میں جواب دیا جس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وسلی کی بات نے اُسے لاجواب کر دیا ہے۔ یا وہ اس کی بات سے گھبرا گئی ہے۔

"ہوں تم کیا کرو ـــ ؟" وسلی نے غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ وہ وحشیانہ طور پر اسے زدوکوب کرنا چاہتا تھا۔ اندر اس کے جی میں تھی کہ ریت پر گرا کر اسے پاؤں تلے روندے اور اس کی چھاتی اور چہرے پر اپنے

بھاری بھرکم جوتوں سے ٹھوکریں لگائے۔ اُس نے اپنا گھونسہ تانا اور چاروں طرف دیکھا ڈھولوں کے قریب اُسے یعقوب اور سربوز کی صورتیں دِکھائی دیں۔ وہ دونوں اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"چلی جاؤ — دفع ہو جاؤ — میں تمہاری دھجیاں اُڑا دیتا — ہاں تمہاری —" اور اُس نے مالوا کو ایک بھدی سی گالی دی۔

اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ اس کی ڈاڑھی کے بال لرز رہے تھے۔ اور اس کے ہاتھ بے قابو ہو کر مالوا کے منتشر بالوں کی طرف لپکے اور مالوا اپنی پرسکون نیلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

میں تمہیں جان سے مار دوں گا — حرامزادی — میں تمہاری گردن کو مروڑ کر رکھ دوں گا"

مالوا نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ صرف مسکرادی۔ اور پھر ایک لمبی آہ بھر کر بے دلی سے کہنے لگی" اچھا کافی ہو چکی — خدا حافظ!"

اور یہ کہہ کر وہ واپس مڑ گئی۔

وسلی اس پر گرجا اور دانت پیسنے لگا۔ لیکن مالوا۔ وسلی کے قدموں کے ایک ایک گہرے اور واضح نشان پر اپنے پاؤں کا نقش ثبت کرتی ہوئی چلی گئی — چلتی گئی دھیرے دھیرے اپنی متوازن رفتار سے حتیٰ کہ وہ ڈھولوں تک پہنچ گئی جہاں سربوز کا نے اس استفسار سے اسکا خیر مقدم

"اچھا تو تم اُسے الوداع کہہ آئیں؟"

مالوا نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ یعقوف نے اس کی طرف دیکھا اور بڑی معصومی سے کچھ ایسے مسکرایا جیسے اس کے ہونٹوں نے کوئی ایسی سرگوشی کی ہو جسے صرف وہی سن سکا ہو۔

"اب جب تم اسے الوداع کہہ آئی ہو تم اس کے چلے جانے سے اپنے آپ کو افسردہ محسوس کر رہی ہو؟" سرپوزکا نے دوبارہ سوال کیا۔

"اب تم کام پر کب جا رہے ہو؟" سمندر کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے مالوا نے جواب دینے کی بجائے خود سوال کر دیا۔

"آج شام کو ۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی"

"آہا تم بھی — یہی تو میں چاہتا ہوں"

"میں بھی چلوں گا" یعقوف نے بھی اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کون لے جا رہا ہے" سرپوزکا آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولا۔

اتنے میں گھنٹی کی آواز سنائی دی جو کہ ماہی گیروں کو کام پر واپس بلانے کی غرض سے بجائی جا رہی تھی یکے بعد دیگرے چھوٹی گھنٹیوں کی آواز آتی اور لہروں کے زیر و بم میں مدغم ہو جاتی۔

"مالوا مجھے وہاں لے جا رہی ہے — اور کون؟" یعقوف نے مالوا کی

کی طرف دیکھتے ہوئے سرکوزکا کو چیلنج کیا۔

" ہیں —؟" مالوا نے حیران ہو کر کہا۔ میں تمھیں وہاں لیجا کر کیا کروں گی؟"

" یعقوف آؤ دو ٹوک بات کریں۔" سرکوزکا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے سختی سے کہا۔

" اگر تم نے مالوا کو اس طرح بہکایا تو میں تمہارا بھرکس نکال دوں گا اور اگر تم نے اب اسے چھوا بھی تو میں تمہیں بے دریغی سے ہلاک کر دوں گا۔ ایک ہی ضرب سے تمہارا دم ہوا ہو جائے گا — اور میرے لیے یہ نہایت معمولی بات ہے" اور یہ کہنے کے بعد سرکوزکا کا چہرہ — اور اس کا تمام جسم اور اس کے ٹیڑھے میڑھے ہاتھ یعقوف کی گردن کی طرف بڑھے جیسے اپنے آخری حملے کی تصدیق کر رہا ہو۔

یعقوف ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور گھٹی گھٹی آواز میں کہنے لگا۔ " ذرا ٹھہرو — اس سے پوچھو کہ —"

" بس — کافی ہے — تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ — او بدذات کتے لذیذ گوشت تمہارے لیے نہیں ہے — تمہیں تو ایک سوکھی ہڈی کبھی میسر آجائے تو شکر بجا لاؤ — ہوں — ادھر کیا گھور رہے ہو؟"

یعقوف نے مالوا کی طرف دیکھا۔ مالوا کی نیلی آنکھیں طنزیہ اور مسکراہٹ

انداز میں ہنسنے لگیں اور اس نے کچھ ایسے پیار سے تربوز کا سے شانہ بھڑایا کہ یعقوب شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

وہ دونوں پہلو بہ پہلو وہاں سے چلے گئے اور ذرا آگے نکل کر بہت زور سے یعقوب پر ہنسنے لگے۔

اور یعقوب نے تیزی سے سانس لیتے ہوئے اپنا دایاں پیر زور سے ریت پر دے مارا اور خوفزدہ ہو کر بت کی طرح وہیں کھڑا رہا۔

دُور ــــ زرد۔ ویران اور ناہموار ریت پر ایک سیاہ انسانی شکل حرکت کر رہی تھی۔ اور اس کے دائیں طرف فرخندہ اور عظیم سمندر سُورج کی روشنی میں چمک رہا تھا بائیں طرف اُفق تک ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی۔ بالکل ایک سنسان بیابان کی طرح۔

یعقوب نے اس تنہا شکل پر نگاہ ڈالی اور اپنی گھبرائی ہوئی متندبذب آنکھیں جھپکیں اور اپنے سینے کو زور زور سے دونوں ہاتھ سے مسلنے لگا۔

مچھلی خانوں میں بدستور ہنگامہ برپا تھا۔

یعقوب نے مالوا کی گونجتی ہوئی آواز سُنی وہ کہہ رہی تھی "میرا چاقو کس کے پاس ہے؟"

لہریں آپس میں ٹکرا ٹکرا کر شور کر رہی تھی ــــ سُورج چمک رہا تھا سمندر کھلکھلا رہا تھا ــــ × ختم

افسانہ — میکسم گورکی

زہریلی عورت

میں شروع سے ہی اس عورت سے خوف محسوس کرتا تھا۔ اور اپنے آپکو اس سے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ مجھے جب کبھی اس کی موجودگی کا علم ہوتا میں فوراً اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیتا تھا لیکن ایسا خوفناک حادثہ کبھی کبھی ہی رونما ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں اس وقت ہوتی تھی جب کہ میں پڑھنے کے لیے چلا جاتا تھا۔ جہاں سے کافی رات گذرنے پر واپس آتا تھا لیکن اس احتیاط کے باوجود لگ بھگ سیڑھیوں پر اترتے چڑھتے وقت یا کبھی کبھی مکان کے صحن میں ہمارا آمنا سامنا ہو جاتا تھا اور نہ جانے کیوں اس سے مڈبھیڑ ہوتے ہی سنسنی کی ایک لہر سر سے پاؤں تک گذر جاتی تھی!

مجھے آپ بزدل اور ڈرپوک سمجھیں گے کہ میں اس عورت کی اٹھتی ہوئی جوانی سے متاثر ہونے کی بجائے اس سے ایک عجیب قسم کا خوف محسوس کرتا تھا۔ لیکن سچ پوچھئے صرف میں ہی نہیں اس حویلی کے رہنے والے زیادہ تر مرد بھی اس سے پہلو بچا کر نکلتے تھے وہ عورت اپنے صحت مند جسم کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی اس کا

لمبا قد ورزشی بازو۔ بھاری آواز۔ مگر اُنہ کی گھنی اور سیاہ بھویں۔ اسکی نیلی نیلی بے قرار آنکھوں کو ہیبتناک بنا تی تھیں۔ ممکن ہے بعض مردوں کے نزدیک یہ دیو ہیکل عورت بھی نازک اور طرحدار ہو۔ لیکن اپنی روح تو اس زہریلی عورت کے تصور سے ہی لرز اُٹھتی تھی۔ مگر میں اس کے پڑوس میں رہنے پر مجبور رہا تھا کیونکہ والد اپنے کاروبار کے سلسلہ میں مہینہ میں ایک دو بار شہر آتے تھے اور میرے پاس ہی اس حویلی کے ایک کمرے میں قیام کرتے تھے اور یہی وجہ ہو کہ اپنے زمانہ تعلیم میں میں کسی ہوسٹل میں داخل نہ ہوا۔ اور دوسرے بیسیوں کرایہ داروں کے ساتھ اس عمارت میں رہنے لگا جس کے ایک کمرہ میں زائرہ بھی کرایہ دار تھی! اور وہ کمرہ دوسری منزل میں میرے کمرے کے عین سامنے تھا جس کی وجہ سے مجھے بار بار پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

وہ مجھے دیکھتے ہی مسکرا دیتی اور میں اس کی اس بے ہودہ حرکت پر تڑپ کر رہ جاتا۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کسی نچلے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اکثر تو اس کے چال چلن کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ خود میں نے اکثر اسکو شرابیوں کی مانند بہکتے پایا۔ اور کبھی کبھی اس کی نیلی نیلی آنکھوں میں خمار آلود شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھے اور وہ اس مستی کے عالم میں بول اُٹھتی۔

"کہو میرے طالب علم دوست رانی خوش تو ہو نا؟

اور اس مخصوص فقرے کے ساتھ ہی وہ کچھ ایسی بے معنی سی ہنسی ہنستی کہ میں

شرم سے اپنا سر جھکا لیتا۔ اور میرے دل میں اس کے لیے نفرت کا جذبہ اور بھی تیز ہو جاتا۔

میں نے بارہا ان اچانک ملاقاتوں سے بچنے کے لیے تہیہ کیا کہ میں یہ مکان چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ لیکن ہوادار اور کشادہ کمرا اور صاف ستھری جگہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ نہ سکا۔ ایک دن صبح کے وقت میں بستر پر لیٹا ہوا انگڑائیاں اور جمائیاں لے رہا تھا۔ اور سائنس یاد نہ ہونے کی وجہ سے کالج نہ جانے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا کہ دفعتاً میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور زائرہ کی بھاری اور کرخت آواز سنائی دی۔

"میں اندر آ سکتی ہوں؟"

"تمہیں مجھ سے کیا کام ہے" میں نے درشت لہجہ میں پوچھا۔

میں نے دیکھا کہ وہ میرے اس طرز تخاطب پر کچھ پریشان سی ہو گئی اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ اس نے بڑی حلیمی سے جواب دیا۔ "مسٹر میں ایک نہایت ہی اہم کام کے لیے آئی ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ میرے لیے تھوڑی سی تکلیف گوارہ فرمائیں گے۔

میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ خدا خیر کرے۔ دیکھئے کیا آفت آنی ہے۔

"میں آپ سے صرف ایک خط لکھوانا چاہتی ہوں" اس کا لب و لہجہ نہایت مہذبانہ تھا۔ خیریت گذری میں نے دل میں کہا اور بلا تامل خط لکھنے کیلئے قلم دوات لیکر میز پر بیٹھ گیا۔ "اچھا لکھواؤ، کس کو خط لکھوانا ہے۔

مسٹر پروسلا کو ۔ اس نے جلدی سے کہا ہاں لکھیے۔ اس نے یوں لکھوانا شروع کیا
میرے پیارے خوبصورت پروسلا ۔

میرے جسم و جان کے مالک خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے، پیارے
محبت نبھانے کے وہ حسین وعدے کیا ہوئے اے گھنگرالے بالوں والے محبوب اس
طویل عرصہ تک اپنی ننھی منی اداس گڑیا کو، اپنی پیاری زائرہ کو یاد کیوں نہیں کیا؟
میں یہ سنکر مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو جانا چاہتا تھا ہنسی کو ضبط کیا ننھی
منی اداس گڑیا تو صرف پانچ فٹ دس انچ ۔ ہاتھ کارخانہ کے بھاری ہتھوڑوں
کی مانند وزن اڑھائی من اور رنگ آبنوسی ۔ میں نے اپنی ہنسی ضبط کر کے پوچھا ۔
"پروشلا کون ہے ؟"

پروسلا! میرے متعلم دوست پروسلاٹ نہیں ۔ اس نے اس قدر تلخ لہجہ
میں کہا جیسے غلط نام پکارنے سے اس کو روحانی صدمہ پہنچا ہے ۔ اس کا پیارا
نام پروسلا ہے اور وہ میرا نوجوان سجیلا محبوب ہے ۔

نوجوان سجیلا محبوب ۔ میں نے تعجب سے پوچھا ۔

کیوں آپ اس قدر حیران کیوں ہو رہے ہیں کیا مجھ جیسی نازک بدن
حسین اور الھڑ دوشیزہ کا کوئی سجیلا نوجوان محبوب نہیں ہو سکتا ۔؟

یہ بھی خوب رہی ۔ میں نے ہنسی کو روکتے ہوئے دل میں کہا ۔ کیوں نہ ہو دنیا
میں ہر بات ممکن ہے ۔ میں نے اسے دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ۔ کتنا

عرصہ ہوا ہے اس کو تمہاری زلف گیر میں اسیر ہوئے ۔ "ڈیڑھ سال"
ہیں چھ سال۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا ۔

مجھے اس حقیقت کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ میں کبھی بر وسلا کا نمبر پر نمبنے آمادہ ہو جاتا بشرطیکہ اس کی ننھی سی اُداس گڑیا زائرہ سیم تن بلبت قامت خوش و خرم اور سرخ و سفید ہوتی ۔

شکریہ بڑی تکلیف دی آپ کو ۔ زائرہ نے بڑے سلجھے ہوئے انداز اور سلیقے کے ساتھ خط لیتے ہوئے کہا ۔ میرے لائق کوئی خدمت اس نے کہا ۔ نہیں جناب میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف دینا نہیں چاہتا ۔

اگر آپ کو قمیصوں یا پاجاموں کو مرمت کروانے کی ضرورت پڑے تو خادمہ ہر وقت حاضر ہے" مجھے ایسا محسوس ہوا گویا مجھ پر دانستہ طنز کسا گیا ہو کیونکہ میرا پاجامہ پھٹا ہوا تھا لیکن پھر بھی میں نے اس کو صاف کہہ دیا کہ مجھے اس معاملہ میں امداد کی ضرورت نہیں یہ سن کر وہ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی ۔

اس واقعہ کے چند دن بعد جبکہ میں اپنی کھڑکی میں کھڑا ہوا سیٹی بجا رہا تھا موسم کی تبدیلی کی وجہ سے کچھ طبیعت مضمحل سی تھی اور دل بہلانے کے لیے باہر جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور میں آنے والے کی طرف حیران نگاہوں سے تکنے لگا ۔

" مسٹر آج آپ کو کوئی کام نہیں ہے شاید یہ زائرہ کی آواز تھی ۔

نہیں تو ...... میں کچھ گھبرا سا گیا۔ فرمایئے کیوں کر آنا ہوا۔

میں ایک خط لکھوانا چاہتی ہوں۔

آج پھر خط، اچھا اندر چلی آؤ۔ لکھ دیتا ہوں۔ میں نے کچھ نیم دلی کے ساتھ اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ میرا خیال ہے کہ آج پھر بروسلا کو مکتوب الفت بھیجنے کا ارادہ ہے میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

نہیں اب کی دفعہ اس کی جانب سے خط لکھوایا جائے گا۔

میں نے کہا! اس کی جانب سے خط

جی ہاں، اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ آخر آپ کے کہنے کا مطلب کیا ہے۔

میرے متعلم دوست مجھے تعلیم یافتہ لڑکیوں کی طرح زیادہ باتیں بنانا نہیں آتیں۔ میں یہ خط اپنی جانب سے نہیں بلکہ اپنے دوست کی طرف سے لکھوا رہی ہوں اُسے بھی زائرہ جیسی حسین دوشیزہ سے والہانہ محبت ہے۔ میرا مطلب اب آپ سمجھ گئے ہوں۔ لہٰذا آپ بروسلا کی طرف سے زائرہ کو خط لکھ دیں۔ میں نے اس کو سر سے پاؤں تک گہری نظر سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور پریشانی کے آثار عیاں ہو رہے تھے اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اس کی انگلیوں میں لرزش تھی اس نے مجھے ایک دو بار یوں دیکھا گویا وہ مجھے اپنی آنکھوں ہی میں جذب کر لینا چاہتی ہو پہلے تو میں اس عقدہ کو حل کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن بتدریج میرا دماغ اس پیچیدہ

گتھی کو سلجھانے میں مدد دینے لگا اور میں زائرہ کا اصلی مقصد سمجھ کر بولا۔

محترمہ! میری سمجھ میں تو یہ معمہ آ گیا ہے۔ آپ کے اشارہ کنایہ سے مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہو چکی ہے کہ اس کائنات عالم میں نہ تو کسی بروسلا نامی شخص کا وجود ہے اور نہ کسی زائرہ نامی لڑکی کا یہ دونوں فرضی نام جن کی ہستی محض خیالات کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ آپ مجھے فریب دے رہی ہیں لازم یہ ہے کہ آپ مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ میں آپ کے ساتھ کسی صورت میں بھی دوستانہ تعلقات استوار کرنا نہیں چاہتا، آپا خیال شریف میں!

وہ دفعتاً پریشان سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور کچھ بڑبڑانے لگی۔ اس کے جذبات اور احساسات سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میری اس تلخ ترش بات پر اس کو بے حد صدمہ پہنچا ہو۔ کیونکہ میں نے اس پر شبہ کرنے میں شدید غلطی کی ہے۔

مسٹر اس نے میری بات پر اظہار تعجب کرتے ہوئے صرف اتنا کہا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اوپر اٹھایا وہ کچھ کہنے لگی تھی کہ کچھ سوچ کر یکدم واپس مڑی اور چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی مجھے اس کی بینیا بانہ حرکات و سکنات پر تعجب سا ہوا۔ میرا ضمیر ایک بے قصور عورت کا دل توڑنے پر ملامت کرنے لگا۔ اس وقفہ کے دوران میں اس کے کمرے کے دروازہ کھلنے اور زور سے بند ہونے کی آواز میرے کانوں میں آئی وہ غصے میں بھری ہوئی تھی اور اس کا سبب محض میرا دل شکن سلوک تھا۔ میں اپنی حرکت پر متاسف ہوا اور میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں اس کے کمرے میں جا کر کسی نہ کسی

طرح اس کا غصہ دُور کر دوں اور اس کو خط لکھ دوں۔ چاہیے وہ بردسلا کے نام لکھوائے یا زائرہ کی طرف بھیجے میں نے اس کے کمرے میں جا کر ادھر اُدھر متجسسانہ نگاہ دوڑائی اور دیکھا کہ وہ ایک کونے میں پڑوسی ہوئی میز پر کہنیاں رکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپائے بیٹھی ہے۔

سنو میڈم، میں نے نرم لہجہ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ معاف کرنا میں پیچیدہ معاملات سمجھنے میں اکثر غلطی کر بیٹھا ہوں۔

وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اُٹھی اور غضب آلود نگاہوں سے گھورتی ہوئی میری طرف بڑھی اور دونوں ہاتھوں سے میرے کندھوں کو مضبوطی سے پکڑ کر کہنے لگی۔

مسٹر آج میں آپ کو سب کچھ بتا دیتی ہوں۔ اصلی بات یہ ہے کہ بقول آپ کے اس عالم ہست و بود میں نہ کسی بردسلا کا وجود ہے اور نہ زائرہ کا ... لیکن .... آپ کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مکتوب الیہ کون ہے اور کون نہیں آپ کو اپنی تعلیم پر اس قدر نازاں نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ خط لکھنے کی بجائے کسی غریب کو میری طرح دھتکار دیں۔ آپ اس قدر اچھی صورت رکھنے کے باوجود اتنے بے درد و سنگدل اور مغرور کیوں ہیں .... ہاں سنیئے یہ واقعی درست ہے کہ نہ کوئی بردسلا ہے اور نہ زائرہ لیکن میں ہوں آپ کی خدمت بجا لانے والی ایک خادمہ۔

میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں نے ذرا تاسف انگیز لہجہ میں کہا آپ کی

یہ باتیں میری عقل و فہم سے بالاتر ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بروسلا نام کی واقعی کوئی شخصیت نہیں ہے۔

ہاں اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔ اور نہ زائرہ کی کوئی ہستی ہے۔

جی ہاں زائرہ اپنے آپ کو ہی سمجھ لیتی ہیں۔

میرے پلے کچھ نہ پڑ رہا تھا۔ میں اس کے چہرے پر اپنی نگاہ جمائے سوچ رہا تھا کہ ہم دونوں میں سے کس کی عقل میں فتور آ گیا ہو۔ میں پاگل ہو گیا ہوں یا یہ عورت وہ فوراً میز کی جانب بڑھی اور اس کے دراز میں سے کسی چیز کو تلاش کرنے لگی چند لمحات کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر بڑے طعن آمیز لہجہ میں بولی یوں۔

اگر آپ کو بروسلا کی طرف خط لکھتے میں پریشانی کن زحمت گوارا کرنی پڑتی ہو تو یہ لیجئے اپنا پہلا خط میں کسی اور سے لکھوا لوں گی۔

میں نے دیکھا کہ سچ مچ اس کے ہاتھ میں وہی خط تھا۔ جو میں نے گذشتہ ہفتے بروسلا کے نام تحریر کیا تھا۔

سنو زائرہ تمہیں دوسروں سے خط لکھوانے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ میرا پچھلے ہفتے کا تحریر کردہ خط اب تک تمہارے پاس موجود ہے تم نے اسے سپرد ڈاک کیوں نہیں کیا۔ اسے کس کے پاس بھیجتی۔

مسٹر بروسلا کے پاس۔

لیکن اس نام کا تو کوئی مرد ہی نہیں ہے۔

میں پاگلوں کی طرح منہ اٹھائے خاموش کھڑا تھا میری عقل و فہم اس راز سربستہ سے انکشاف میں بالکل عاری ہو چکی تھی۔ میرے لیے بجز اس کے کوئی چارہ باقی نہ رہا تھا کہ میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں۔ میں واپس ہونے ہی لگا تھا کہ اس نے اپنے خاص انداز میں یوں کہنا شروع کیا۔

"مجھے پورے اعتماد کے ساتھ اس امر کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ دنیا میں اس نام کا کوئی شخص نہیں ہے۔" اس نے ایک طویل آہ سرد بھرتے ہوئے کہا کاش کوئی ایسا ہوتا مسٹر میرے سینے میں بھی دل ہے اور دل میں ایک تڑپ سوز اور درد میں چاہتی ہوں کہ میرا کوئی محبوب ہوتا زیردار ہو مجھ پر دل و جان سے قربان ہونے والا ہو کیا مجھ میں قدرت نے محبت کا جذبہ ودیعت نہیں کیا۔ میرے متعلق اس میں شک نہیں کہ میں جس کی طرف خط لکھوانی ہوں وہ میرا واہمہ ہے۔ میرا خیال ہی خیال ہے تاہم میں سمجھتی ہوں کہ میں خیالی محبوب کی طرف خط لکھ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتی اور نہ میں اس طرز عمل سے اخلاقی گناہ کا ارتکاب کرتی ہوں کسی کو خط لکھ کر۔

کس کو خط لکھ کر؟

مسٹر بردوسلا کو اور کسے!

لیکن آپ تو اس امر کا اعتراف کر چکی ہیں کہ اس کا نام دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے

یہ سچ ہے لیکن کیا ہرج ہے جو اس کا وجود نہیں مگر میرے دوست! میرے تصورات پر کوئی نامعلوم ہستی چھا رہی ہے اور میرے قلب و دماغ میں کوئی ایسا مرد سما رہا ہے جس کو بردوسلا کے نام سے میں یاد کر کے دل میں ایک کیف و سرور پاتی

ہوتی۔ سنیے جناب میں اپنے خیالی محبوب کو خط لکھواتی ہوں اور اس خیال سے کہ واقعی وہ کوئی خوبصورت اور بانکا نوجوان ہے اور پھر میں اپنے آپ کو زائرہ سمجھ لیتی ہوں ایک تو رطلعت نازنین جس کے خط کے جواب میں وہ بھی اپنے محبت آمیز جذبات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرتا ہے اور میں اس کے جواب میں اپنی حسین تمناؤں کا اظہار کرتی ہوں اور یہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

آخر میری سمجھ میں سب کچھ آگیا۔ اور اس تشنۂ الفت عورت کی یہ دُکھ بھری داستان سن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آہ میرے پڑوس میں ایک ایسی بدنصیب عورت بھی ہو جس کا اس دنیا میں کوئی بھی اپنا نہیں ہے اور اس محرومِ محبت نے اپنے دردِ دل کے مداوا کے لیے ایک خیالی محبوب بنا لیا تھا لیکن میں اسے ایک زہریلی عورت سمجھتا رہا۔

میرے متعلم دوست سنیئے آپ نے میرے کہنے پر مسٹر بروسلا کے نام جو خط لکھ دیا تھا۔ میں نے اسے کئی آدمیوں سے پڑھوا کر سُنا اور اپنے دل میں خیال قائم کرلیا کہ بروسلا واقعی کوئی نوجوان ہے جو زائرہ سے محبت کرتا ہے اور پھر میں آپ سے ایک خط بروسلا کی جانب سے لکھوانے کی درخواست کی۔ جب میں یہ خط لکھوا لیتی تو لوگوں سے پڑھوا کر سنتی اور مجھے یقین ہو جاتا کہ دُنیا میں میرا کوئی چاہنے والا موجود ہے اس خیال سے مجھے اپنی زندگی زیادہ مطمئن اور کیف آفریں محسوس ہونے لگتی۔

مجھے اپنے اس ناروا سلوک پر شرم آنے لگی جو کہ میں نے ایک بے یار و مددگار عورت

کے اس آبگینہ دل کو چور چور کیا۔ میں نے اپنی اس خطا کا رانہ روش پر اپنے آپ پر لعن طعن کی اور اس دن سے بلا حیل و حجت اس کو ہفتے میں دو خط لکھ کر دینے لگا۔ ایک زائرہ کی طرف سے بروسلا کو اور دوسرا بروسلا کی طرف سے زائرہ کو۔ میں ان محبت ناموں میں ایسی درد انگیز عبارت لکھا کرتا تھا کہ وہ ان خطوں کو سن کر آب دیدہ ہو جاتی اس کو بروسلا کی جانب سے ایسے خطوط موصول ہوتے تھے جو اس کے قلب مجروح کے لیے مرہم کا کام دیتے تھے۔ اس کا معاوضہ وہ مجھ کو یہ دیا کرتی تھی کہ میرے پاجامے قمیص اور کوٹ درزی کے پاس نہیں جاتے تھے۔ زائرہ بغیر کہے انھیں لیجاتی اور بڑی محنت سے ان کی مرمت کرکے واپس دے جاتی تھی۔

آج سے تین ماہ پہلے پولیس نے کسی نہ کسی شبہے میں اس کو جیل بھیج دیا۔ کچھ عرصہ بعد میں نے سنا کہ وہ وہیں مرگئی۔ شائد خیالی محبوب کی تاب مفارقت نہ لاکر۔

اے حمید

نوجوان ترقی پسند فن کا

گینوں کی باتیں نہیں کرتا، بلکہ سماج کے گھناؤنے اندھیروں

کو بھی اجاگر کرتا ہے

اے حمید کا تازہ شاہ کار

حسین گناہ

قیمت تین روپے

ناشر

نیو تاج آفس پوسٹ بکس ۱۲۷۹ دہلی